بسم اللہ الرحمن الرحیم

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا

کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا اُنکے دلوں پر قفل پڑے ہوئے ہیں۔

سورہ محمد آیت: ۲۴ القرآن الحکیم

تفسیر عزیزی

پارہ الٓمّٓ

محمد لقیط خان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہم نے آسان کیا، قرآن سمجھنے کے لئے
سو ہے کوئی جو سوچے سمجھے۔ (القرآن)

تفسیر عزیزی

پارہ الٓمّٓ ۱

آسان ترجمہ، بمعہ ضروری توضیح اور تشریحات کے ساتھ

*

ذوقِ قرآن فہمی اُجاگر کرنے کی سمت ایک کوشش

از

محمد لقیط خان

اِدارۂ نشریاتِ ولی

18/927 حسن آباد، فیڈرل بی ایریا۔ کراچی

فون 6360656 موبائل 0320-5041953

طبعِ اوّل ۱۴۲۵ھ
تعداد ایک ہزار
سرِورق رشید شاہد
باہتمام سلمان نشیط، عدنان لطیف
مطبع شکیل پریس، کراچی
ھدیہ ۱۵۰/= ایک سو پچاس رُوپے صرف

تقسیم کُنندگان

- ★ ویلکم بُک پورٹ اُردو بازار کراچی فون ۲۶۳۹۵۸۱-۲۶۳۳۱۵۱
- ★ فضلی بُک سُپر مارکیٹ اُردو بازار، کراچی فون ۲۶۲۹۷۲۰۰-۵۱
- ★ رحمٰن بُک ہاؤس اُردو بازار کراچی فون ۷۷۶۰۷۵۱
- ★ ھلال نیوز ایجنسی۔ ریگل صدر کراچی
- ★ احمد بُک سینٹر اُردو بازار کراچی فون ۷۷۷۳۴۸۷
- ★ فرید پبلشرز اُردو بازار کراچی فون ۷۷۷۰۰۵۷
- ★ البلال بُک سینٹر اُردو بازار کراچی فون ۲۶۳۲۶۶۴
- ★ البدر بُک کارنر اُردو بازار کراچی فون معرفت ۲۶۳۴۱۴۰۱
- ★ مکتبہ رحمانیہ اُردو بازار لاھور فون ۷۲۲۱۳۹۵۱-۷۲۲۴۲۲۸
- ★ اشرف بُک ایجنسی کمیٹی چوک راولپنڈی فون ۵۵۳۱۶۱۰
- ★ احمد بُک کارپوریشن کمیٹی چوک راولپنڈی
- ★ جہانگیر بُک ڈپو اُردو بازار کراچی فون ۷۷۶۵۰۸۶
- ★ کتاب گھر، اقبال روڈ کمیٹی چوک راولپنڈی فون ۵۵۵۲۹۲۹-۵۵۲۹۳۸۰۰
- ★ علم و عرفان پبلشرز G-7 مارتھر اسٹریٹ 9 لوئر مال لاھور فون ۷۳۵۲۳۳۲
- ★ ماورا پبلشرز، 60 شاھراہِ قائدِ اعظمؒ، لاھور
- ★ ماسٹر فوٹو اسٹیٹ ڈی ایچ اے Phase-4 کراچی فون ۵۸۹۸۰۶۰

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَحْدَہٗ

حرفِ سخن

الحمدللہ چالیس برس سے قرآن حکیم میرے شب وروز کے فکر ونظر کا موضوع رہا ہے، اس کی ایک ایک سورت، ایک ایک مقام، ایک ایک آیت، ایک ایک لفظ پر میں نے غور وفکر کرنے کی کوشش کی ہے۔ وادیٔ علم میں قدم کے بعد، مرحلوں پر مرحلے طے کئے ہیں، علوم قرآن اور مضامینِ قرآن کے مباحث کا کوئی گوشہ نہیں، جس کی طرف سے حتی الوسیع ذہن نے تغافل اور جستجو نے تساہل کیا ہو، علم ونظر کی راہوں میں آج کل علمی سفر، قدیم وجدید کے عنوانات میں قدرے مشکلات کا باعث ہے، بہرِنوع قرآن کا علم ایک وسیع مطالعہ اور فلسفۂ زندگی کا آئینہ دار ہے، اور مجھ جیسے طالب علم کے لئے یہ منزل طے کرنا ایک سعادتِ بابرکت ہے، علم کا ذوق وشوق، قرآن فہمی سے لگاؤ نے اس جذبہ کو حوصلہ دیا۔

اس تمام عرصے کی جستجو وطلب کے بعد، قرآن مجید، فرقانِ حمید کو جیسا کچھ، جتنا کچھ سمجھنے کی اللہ تعالیٰ نے صلاحیت وتوفیق بخشی، اس کتاب کے صفحات پر پھیلا دیا ہے۔

میرا واحد مقصد یہ ہے کہ ایک عام مسلمان، قرآن اور اس کی آیات کا مفہوم خود سمجھ سکے اور تعلیماتِ قرآن سے وہی نتیجہ اخذ کرے جو قرآن کا مدعا ہے۔

اس کلام پاک کے تراجم، تفاسیر اور علوم کے ہر ہر پہلو پر، ہر زبان میں قیامت تک کام ہوتا رہے گا، انشاءاللہ تعالیٰ۔

بے شک کون نہیں جانتا، قرآن کی تلاوت بھی کارِثواب ہے، اس کی تلاوت آنکھوں کا نور، دلوں کی فرحت وشادابی، چین و سکون، راحت ہے۔ لیکن اصل بات تو قرآن کو سمجھنا، اس کے لفظ میں چھپے ہوئے وسیع وعمیق معنوں پر غور کرنا، اور اس میں بیان کی گئی ابدی ہدایت کی روشنی میں دینی ودنیوی زندگی بسر کرنا ہے۔ میں نے تفسیرِ عزیزی اُن عام پڑھے لکھے لوگوں کے لئے ترتیب دی ہے جو قرآنی تعلیمات سے منور ہوکر اپنے آپ کو صراطِ مستقیم پر لانا چاہتے ہیں، لیکن انہیں قرآن سے استفادہ کرنا نہیں آتا۔

ہر موضوع میں، آیاتِ مبارکہ اور ان کا ترجمہ، معنیٰ اور مفہوم آپ کے سامنے ہے۔ تفسیرِ عزیزی کی مدد سے ایک مسلمان کا بھی، قرآن حکیم سے قلبی لگاؤ اور حقیقی رابطہ پیدا ہوگیا ہے اور وہ روحِ قرآن کے قریب سے قریب تر آگیا ہے تو یہ بات میرے لئے باعثِ طمانیتِ قلب ہوگی اور میں یہ سمجھ لوں گا کہ میری بخشش کا سامان ہوگیا۔

ایک عام آدمی کی ضرورت کو مدِنظر رکھتے ہوئے مطالبِ آیات کو عام فہم، اسلوبِ نگارش میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

حرفِ چند

نام	:	محمد لقیط خان
ولدیت	:	مولوی عبدالبسیط خان
جائے پیدائش	:	حیدر آباد دکن
وطن	:	کوٹ، فتح پور ہسوہ، یوپی، ہندوستان
تعلیم	:	ایم بی اے۔ ایم اے۔ ایل ایل بی
فیضِ تربیت	:	حضرت مولانا مطلوب الرحمٰنؒ برادر علامہ شبیر احمد عثمانیؒ

خطیب رجنرل سیکریٹری مسجد اعظم ٹرسٹ، سی ایریا، لیاقت آباد کراچی

ناظم تعلیمات (جامعہ مدرسہ نور القرآن لیاقت آباد، کراچی)

اچھی تحریر ایک نعمت

"تحریر"

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں

وَمَا كَاتِبٍ اِلَّا سَيَفْنٰى	ہر لکھنے والا عنقریب فنا ہو جائے گا
وَابْقَى الدَّهْرَ مَا كَتَبَ يَدَاهُ	لیکن لکھی ہوئی شے ہمیشہ باقی رہے گی
فَلَا تَكْتُبْ بِكَفِّكَ غَيْرَ شَيْءٍ	تو تو اپنے ہاتھ سے ایسی شئے کو تحریر کر
يَسُرُّكَ فِي الْقِيٰمَةِ اَنْ تَرَاهُ.	جسے تو روزِ قیامت دیکھ کر خوش ہو جائے

میری تحریر آپ کیلئے!

الحمد للہ، جو کچھ بیان کیا، وہی جو حق تھا، عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم
کا اظہار ہے۔ میں نے، آپ کو دعوت دین دی ہے، حق کے ساتھ، سوچنے کی
دعوت کی تلقین کی ہے۔
اب فیصلہ آپ پر ہے کیا حق ہے اور کیا ناحق، آپ بخوبی جانتے ہو کہ حق بات کیا ہے
اور ناحق بات کیا ہے۔ لیکن اپنے نفسانی خواہشات کی خاطر آپ حق بات چھپا کر
غلط اور جھوٹی بات کرتے ہو، یہ تو بڑا جرم ہے۔ اللہ آپ کا روشن ضمیر کرے،
آپ کو ہدایت رحمت باری تعالیٰ مل جائے۔ آمین
وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ

الفقیر عفی عنہ بقلم خود

۱۴۲۵ھ
الرقوم ... رجب المرجب

فہرست مضامین

خلاصہ مضامین سورۃ فاتحہ اور سورۃ البقرہ پارہ الٓمّٓ (۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہم نے آسان کیا ،قرآن سمجھنے کے لئے
سو ہے کوئی جو سوچ سمجھے
(القرآن)

احادیث نبوی ﷺ

زَیِّنُو الْقُرْآنَ بِاَصْوَاتِکُمْ

قرآن کو اپنی اچھی آوازوں سے آراستہ کرو۔ (ابوداؤد)

لِکُلِّ شَیٍٔ حلیة وحِلیةُ الْقُرْآنِ حسْنُ الصَّوْتِ

ہر چیز کا ایک زیور ہے اور قرآن کا زیور خوش آوازی ہے۔

حَسِّنُو االقُرآنَ بِاَصْوَاتِکُمْ فَاِنَّ الصَّوْاتَ الْحَسَنَ یَزِیْدُالقُرآن حُسْناً

قرآن کو اچھی آوازوں سے آراستہ کرو، بے شک اچھی آواز قرآن کے حسن کو دوبالا کرتی ہے (دارمی)

اِمرؤُ الْقُرْآنَ بِلُحُوْنِ الْعَرَبِ وَاَصْوَاتِہَا

قرآن کو اہلِ عرب کے لب ولہجہ اور ان کی آواز کے مطابق پڑھو۔ (طبرانی / بیہقی)

مَنْ قَرَأَ مِنَ الْقُرْاٰنِ حَرْفًا فَلَهٗ عَشْرُ حَسَنَات

جس شخص نے قرآن کا ایک حرف پڑھا اس کو ایک حرف کے بدلے میں، دس نیکیاں ملیں گی۔

اَفْضَلُ الْعِبَادَۃُ تِلَاوَۃُالْقُرْآنِ

جُملہ عبادتوں میں افضل عبادت تلاوت قرآن ہے

(کنز العمال)

سلسلہ وار ۱، آیات ۷، رکوع ایک، ترتیب نزول ۵

سُوْرَۃُ الْفَاتِحَۃ

یہ سورۃ مکہ معظمہ میں نازل ہوئی، کلمے ۲۷، حروف ۱۴۰

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝۱

اللہ کے نام سے آغاز جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے ۱

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝۲	سب تعریف وتوصیف اس اللہ کے لئے ہے، جو تمام کائنات کا پالنے والا ہے (۲)
الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝۳	جو بے حد مہربان، نہایت رحم والا ہے (۳)
مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ۝۴	جو روزِ قیامت کا مالک ہے (۴)
اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ۝۵	اے اللہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں (۵)
اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۝۶	ہمیں سیدھی راہ پر چلا (۶)
صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ	اُن لوگوں کی راہ پر، جن پر تو نے انعام کیا
غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ۝۷	نہ کہ اُن لوگوں کی راہ پر، جن پر تیرا غضب ہوا اور نہ اُن لوگوں کی راہ پر جو بھٹک گئے۔(۷) آمین (قبول فرما ایسا ہی ہو)

الفاظ ومعانی

﴿اَلْحَمْدُ﴾ اچھی صفتوں کے بیان کو کہتے ہیں۔تمام تعریفیں ﴿لِلّٰہِ﴾ (گویا) حمد اللہ کے لئے ہے ﴿رَبِّ﴾ پالنے والا، اللہ کے اسماء مبارکہ میں شامل ہے۔﴿الْعٰلَمِیْنَ﴾ عالم کی جمع، خلقت، مخلوقات کی ایک ایک جنس عالم کہلاتی ہے۔عالم انس، انسان کے لئے عالم۔عالم ملائکہ فرشتوں کے لئے عالم۔تمام عالم ﴿الرَّحْمٰنِ﴾ مبالغہ کا صیغہ ہے نہایت رحم کرنے والا، اس کی رحمت دنیا میں مومن وکافر سب کے لئے عام ہے۔﴿الرَّحِیْمِ﴾ بڑا اکرم کرنے والا، مہربان، اللہ رحمٰن دنیا میں سب کے لئے ہے اور رحیم آخرت میں خاص مومنین کے لئے ہے۔﴿مٰلِکِ﴾ کامل مختار۔﴿یَوْمِ الدِّیْنِ﴾ سزا اور جزا کا دن، حساب کتاب کا دن۔

۱: اس کو تسمیہ کہا جاتا ہے۔رسول اکرم ﷺ نے ہر چھوٹے بڑے کام کو بِسْمِ اللّٰہِ سے شروع کرنے کو کہا ہے۔حکم ہوا کھانے، ذبح اور جماع سے پہلے بِسْمِ اللّٰہِ پڑھو۔قرآن کی تلاوت کرتے وقت استعاذہ پڑھنے کا حکم ہوا۔جب تم قرآن پڑھو تو پہلے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم (میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں شیطان مردود سے) پڑھو۔جب تم قرآن پڑھو تو شیطان سے پناہ مانگو۔سورۃ النحل آیت نمبر ۹۸ میں ارشاد ربانی ہے۔فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝ (قرآن پڑھتے وقت شیطان مردود سے اللہ کی پناہ طلب کرو) قرآن مجید کی تلاوت سے پہلے تعوذ پڑھنا سنت ہے۔

﴿ اِیَّاکَ ﴾ تاکید کے لئے فعل سے پہلے لایا گیا۔ خاص تیری ﴿ نَعْبُدُ ﴾ بندگی، انتہائی عجز اور فرمانبرداری کا اظہار۔ ہم بندگی کرتے ہیں ﴿ نَسْتَعِیْنُ ﴾ مدد لینا، نہ عبادت اللہ کے سوائے کسی اور کی جائز ہے اور نہ استعانت (مدد) ہی کسی اور سے جائز ہے، ہم مدد طلب کرتے ہے۔ ﴿ اِھْدِ نَا ﴾ ہم کو راہ دکھا ﴿ اَلَّذِیْنَ ﴾ وہ لوگ جو اسماء موصولہ میں سے ہے ﴿ اَنْعَمْتَ ﴾ عطا کرنا، بخشش کرنا، انعام سے مراد دینی انعام لیا جاتا ہے۔ تو نے انعام کیا ﴿ اَلصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ﴾ سیدھا راستہ، سیدھا راستہ ایک ہی ہے، وہ دین اسلام ہے۔ ﴿ اَلْمَغْضُوْبِ ﴾ جن پر غضب ہوا اللہ کا، مراد یہودی ہیں ﴿ اَلضَّآلِّیْنَ ﴾ گمراہ ضالّ سے مراد نصاریٰ ہیں۔

یہودیوں کی غلطی یہ تھی کہ وہ جانتے ہوئے بھی صحیح راستے پر نہیں چلتے تھے۔ حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے۔ نصاریٰ کی غلطی یہ تھی کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں غلو کیا انہیں تین میں سے ایک، گویا تثلیث کے قائل ہوئے اور اللہ کا بیٹا کہا۔ (بحوالہ فتح الباری) صراطِ مستقیم سے مراد وہ سیدھا راستہ ہے جس پر وہ لوگ چلے جن پر اللہ کا انعام ہوا۔ انعام یافتہ چار گروہ ہیں۔

(۱) انبیاء علیہم السلام　(۲) صدیقین　(۳) شہداء　(۴) صالحین

سورۃ النساء آیت ۶۹ میں ارشادِ ربانی ہے۔

مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ ج

وہ اُن لوگوں کے ساتھ ہوگا، جن پر اللہ نے انعام کیا ہے جیسے نبی اور صدیق، شہید اور نیک لوگ (صالحین) (النساء آیت ۶۹)

جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے ہیں وہ یوم قیامت اُن لوگوں کے ہمراہ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا۔ گویا انبیاء، صدیقین، شہداء، اور صالحین اور ان لوگوں کی قربت بہت ہی خوب ہے۔

سورۃ الفاتحہ قرآن مجید فرقان حمید کے آغاز کی سب سے پہلی سورۃ مبارکہ ہے۔ احادیثِ مبارکہ میں اس کو کئی ناموں سے موسوم کیا گیا ہے۔ مثلاً فاتحہ، فاتحہ الکتاب، اُم القرآن، سبع المثانی، الشفاء، دافیہ، سورۃ الصلوٰۃ، کافیہ، نور، اُم الکتاب، اور سورۃ الدعا۔

سورۃ الفاتحہ کی فضیلت

حضرت محمد ﷺ نے فرمایا تورات، انجیل، اور زبور میں اس کی مثل سورت نہیں۔ (بحوالہ ترمذی شریف)

مُسلم شریف کی روایت میں ہے کہ ایک فرشتہ آسمان سے نازل ہوا، حضور ﷺ کی خدمت میں سلام کیا اور دو نوروں کی بشارت دی، جو نور، حضور ﷺ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں ہوئے۔ (۱) سورۃ الفاتحہ (۲) سورۃ البقرہ کی آخری آیات آیت نمبر ۲۸۵ / اٰمَنَ الرَّسُوْلُ سے آیت نمبر ۲۸۶ / عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ تک۔ سورۃ الفاتحہ ہر مرض کے لئے شفا ہے۔ (بحوالہ دارمی)

سورۃ الفاتحہ کا نصف حصّہ اللہ تعالیٰ کی تعریف، توصیف، حمد وثناء، اس کی رحمت وشان ربوبیت اور عدل وبادشاہت کے اظہار بیان پر مشتمل ہے اور دوسرے نصف حصّے میں مُناجات اور دعا کا اظہار ہے جو بندہ اللہ کی بارگاہ میں عجز وانکساری سے کرتا ہے۔ سورۃ الفاتحہ میں دعوتِ توحید دی گئی ہے۔

ع　توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے تھا

توحید کی تین قسمیں بڑی اہمیّت کی حامل ہیں۔(۱)توحیدِ ربُوبیت (۲)توحیدِ الوہیت (۳)توحیدِ صفات

(۱)...... توحیدِ رَبُوبیت تو یہ ہے کہ اس کائنات کا خالق، مالک، رازق صرف اور صرف اللہ ہے۔ زمین اور آسمان میں جو کچھ ہے یہ سب مال کس کا ہے؟ عرشِ عظیم پر سات آسمان کا مالک کون ہے؟ ہر چیز کی بادشاہت کس کے ہاتھ میں ہے؟ سب کو پناہ کون دیتا ہے؟ اس کا جواب سب یہی دیں گے یہ سارے کام اللہ ہی کے ہیں یہی توحیدِ ربُوبیت ہے۔

(۲)......توحیدِ الوہیت تو یہ ہے کہ عبادت کی تمام اقسام کا مستحق صرف باری تعالیٰ ہے۔ اُلوہیت کی تعریف یہ ہے کہ تمام کام صرف اللہ کے لئے کئے جائیں۔

(۳)......توحیدِ صفات یہ ہے کہ اللہ کی جو صفات قرآن کریم اور احادیثِ مبارکہ میں بیان ہوئی ہیں اُن کو بلا تامّل اور تاویل کے تسلیم کریں۔ مثلاً جس طرح اُس کی صفت علم الغیب ہے، وہ قریب اور دُور سے ہر ایک کی فریاد سننے پر قادر ہے یا اس نوعیت کی صفاتِ الٰہیہ ان میں کوئی صفت بھی اللہ کے سوا کسی میں نہیں اس بات کو تسلیم کر لینا توحیدِ صفات کے زُمرے میں آتا ہے۔

اس سورۂ مبارکہ کی ابتدائی تین آیات میں اللہ کی حمد بیان کی گئی ہے۔ حمد اچھی صفتوں کے اظہارِ بیان کو کہتے ہیں اس کائنات میں جس قدر بھلائیاں، اچھائیاں اور خُوبیاں ہیں ان سب کا پیدا کرنے والا اللہ ہے۔ گویا لائقِ حمد تو صرف اور صرف اللہ کی ذات ہے۔ اگر یوں کہا جائے تو مناسب ہے کہ یہ اس کی شانِ ربوبیت کا اظہار ہے۔

مخلُوقاتِ عالم کو جب جب، جیسے جیسے، جس جس طرح اور جس چیز کی ضرورت درپیش آتی ہے وہی اس کا سامان پیدا کرتا ہے جونہی بچّے کی ولادت ہوئی ماں کے سینے میں دودھ اترنے لگا اور اس بچے کا رزق بہم پہنچایا جانے لگا۔ چیونٹی کے انڈے کی دیکھ بھال اللہ کرتا ہے، مچھلیوں کی پیدائش کا انتظام بھی اسی کے ذمّہ سپُرد ہے۔ گویا یوں کہئے کہ بخشش اور عطا وکرم کا ایک دریا ہے جو مخلوق کو سیراب کر رہا ہے۔

دنیا میں اس کی رحمت عام ہے اور آخرت میں عذاب سے نجات دینے والا وہی ہے جزاء وسزا یعنی روز قیامت کا مالک اللہ ہے۔ جس نے ذرّہ برابر نیکی کی ہوگی وہ دیکھ لے گا جس نے بُرائی کمائی ہوگی اس کے لئے ہودن عذاب کا ہوگا پس بندہ کا کام ہے کہ اس کی صفات میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائے اور سیدھے راستہ کی دعا طلب کرے اس کے سوا کسی سے مدد کا طلب گار نہ ہو۔ نیک اور ہدایت یافتہ راہ اختیار کرے۔ (ایسا ہی ہو) آمین۔

❀❀

کلمے ۶۱۲۱، حروف ۲۵۵، سلسلہ وار ترتیب ۲، نزولِ ترتیب ۸۷

سُوْرَةُ الْبَقَرَة [۱]

یہ سورۃ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی، آیت ۲۸۶ رکوع ۴۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ①

آغاز اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہے

الٓمّٓ ①

الف، لام، میم (۱) [۲]

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ②

اِس کتاب کے کلام اللہ ہونے میں کوئی شک نہیں، اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے راہ دکھانے والی ہے (۲)

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ③

جو غیب پر ایمان لاتے ہیں اور پابندی سے نماز کا اہتمام کرتے ہیں اور ہمارے عطا کردہ مال میں سے خرچ کرتے ہیں (۳)

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ④

اور جو کتاب آپ (ﷺ) پر نازل ہوئی اور آپ (ﷺ) سے پہلے جو نازل کیا گیا سب پر ایمان لاتے ہیں اور وہ آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں (۴)

اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ⑤

یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں، اور یہی لوگ فلاح اور نجات پانے والے ہیں (۵)

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ⑥

جو لوگ کافر ہیں، ان کو آپ (ﷺ) کا ڈرانا یا نہ ڈرانا مساوی (برابر) ہے وہ لوگ ایمان نہ لائیں گے (۶)

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ۭ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۡ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ⑦

اللہ تعالیٰ نے اُن کے قُلوب اور کانوں پر مہر ثبت کردی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور اُن کے لئے عذابِ عظیم (بڑا) تیار ہے (۷)

الفاظ معانی آیت ا تا ۷

﴿ذٰلِكَ﴾ اسم اشارہ بعید کے لئے آتا ہے، وہ۔ ﴿لَا﴾ نہیں ﴿رَيْبَ﴾ شک، شبہ ﴿فِيْهِ﴾ اس میں ﴿هُدًى﴾ ہدایت ﴿مُتَّقِيْنَ﴾ نیک کار، پرہیزگار ﴿الَّذِيْنَ﴾ وہ لوگ، اس کا واحد الذی ہے ﴿يُؤْمِنُوْنَ﴾ وہ ایمان لاتے ہیں زبان اور دل سے ماننا، اور کسی قسم کا شبہ نہ ہونا ﴿يُقِيْمُوْنَ﴾ وہ قائم رکھتے ہیں ﴿الْغَيْبِ﴾ غیب پوشیدہ چیز ﴿مِمَّا﴾ مِنْ + مَا ﴿ اس چیز میں سے

[۱] اس سورۂ مبارکہ میں چونکہ گائے کا واقعہ/قصہ بیان ہوا ہے اس لیے اسے بقرہ گائے کے واقعہ والی سورت کا نام دیا گیا ہے۔

[۲] انہیں حروف مقطعات کہا جاتا ہے یہ حروف اَسرارِ الٰہی ہیں، یعنی علیحدہ علیحدہ پڑھے جانے والے حروف ہر حرف پر ایک نیکی اور ہر نیکی کا دس گُنا ثواب ہے۔ بحوالہ سنن ترمذی شریف کتاب فضائل القرآن۔ حدیث مبارکہ میں آیا ہے، جس گھر میں یہ پڑھی جاتی ہے وہاں سے شیطان بھاگ جاتا ہے۔ بحوالہ صحیح مسلم شریف۔

جو ﴿ رَزَقْنٰا ﴾ ہم نے رزق دیا۔ ﴿ رزق ﴾ روزی، ہر نوعیت کی عطائے نعمت۔ ﴿ یُوْقِنُوْنَ ﴾ اَنفَق، یُنفِق مصرف کرتے ہیں ،وہ خرچ کرتے ہیں ﴿ یُوْقِنُوْنَ ﴾ اَیقَنَ، ایقان وہ یقین رکھتے ہیں ﴿ کُفْرٌ ﴾ حق سے انکار ﴿ اِنَّ ﴾ بے شک ﴿ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾ بھلائی پانے والے ﴿ سَوَاءٌ ﴾ برابر ﴿ اَنْذَرْتَ ﴾ آپ نے ڈرایا، اَنذَرَ، یُنذِرُ۔ ڈرانا۔ ﴿ خَتَمَ ﴾ اس نے مہر ثبت کی۔ بار بار حق کی مخالفت سے یہ صورت حال پیدا ہوئی۔ ﴿ یُخٰدِعُوْنَ ﴾ خَادَعَ یُخَادِعُ فریب دھوکہ، وہ تمام مل کر فریب دیتے ہیں۔ ﴿ قُلُوْبٌ ﴾ قَلبٌ کی جمع، اسم ہے، دل۔ ﴿ سَمْعٌ ﴾ کان۔ سننا، سَمعَ اصل میں مصدر ہے لیکن بطور کان استعمال ہوتا ہے ﴿ اَبْصَارٌ ﴾ بَصَرٌ واحد، آنکھیں۔ ﴿ غِشَاوَةٌ ﴾ پردہ ﴿ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴾ بڑا عذاب۔

تشریح وتوضیحات آیت نمبر ۱ تا ۷

ان آیاتِ مبارکہ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ یوں تو یہ کتابِ رشد وہدایت اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کی رہنمائی اور ہدایت کے لئے اتاری ہے لیکن اس چشمۂ فیض سے وہی فیض یاب ہوتے ہیں جو خوف خدا رکھتے ہیں جن کے دلوں میں مرنے کے بعد اللہ کے دربار میں کھڑے ہو کر جواب دہی کا احساس ہے، جن کے اندر ہدایت کی جُستجو وطلب اور ظُلمت وتاریکی سے محفوظ رہنے کا جذبہ ہے اور جو کفر سے بچنا نہیں جانتا اُسے ہدایت نصیب نہیں ہونے کی۔ متّقی ریرہیز گاروں کی صفات کا واضح ذکر ہے۔

(۱)......ایمان بالغیب سے مراد ان دیکھی حقیقت کو تسلیم کر لینا، اللہ کی ذات کا ادراک، وحی، ملائکہ اور جنّت وجہنّم کو ماننا ہے۔

(۲)......ایمان کے دعوے کا تقاضا، نماز کے قیام کی فکر، اور ادائیگی نماز۔

(۳)......اللہ کی راہ میں خرچ کرنا گویا ادائیگی زکوٰۃ۔

(۴)......اللہ کی نازل کی ہوئی کتابوں پر ایمان لانا۔

(۵)......اللہ کے رسولوں پر ایمان کامل لانا۔

(۶)......آخرت پر مکمل اِیقان ویقین۔

جن کو یہ علم ہو کہ تمام اعمال کا ایک دن حساب دینا ہے یہی مُتّقی اور کامیاب ہیں جنّت ان کا مقام ہے۔ اصل کامیابی آخرت کی کامیابی ہے۔ کافر ایمان لانے کے نہیں ان میں قبولِ حق کی صلاحیّت نہیں، ان کے دلوں میں مہر لگی ہوئی ہے، ان کی آنکھوں میں کُفر وظُلمت کا پردہ ہے، ان کی نگاہیں ربّ کی کائنات میں پھیلی ہوئی نشانیاں دیکھنے سے قاصر ہیں۔ ایمان تو ان کا حصہ ہے جو اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی عطا کردہ نعمتوں اور صلاحیتوں کا درست استعمال کرتے ہیں۔ سُوْرَۃ الْمُطَفِّفِیْنَ آیت ۱۴ میں کُفار کی اس حالت کا بیان ہے یعنی ان کے کرتوتوں کی بناء پر اُن کے قلوب پر زنگ چڑھ گیا ہے۔ بحوالہ ترمذی تفسیر۔ سُوْرَۃ الْمُطَفِّفِیْنَ ۔اسی صورتِ حال کو قرآن مجید نے ختم (مہر ثبت کرنے) سے تعبیر کیا ہے۔ جنہیں ان کے بُرے اعمال کا منطقی نتیجہ کہا جا سکتا ہے۔

قُرآن پر اور سابقہ صحیفوں اور کتابوں پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ متقی نہ صرف قرآن پر ایمان رکھتے ہیں بلکہ سابقہ رسولوں پر جو کُتب نازل ہوئی ہیں اُن پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور انہیں بھی منزّل من اللہ تعالیٰ تسلیم کرتے ہیں۔ تو پتہ یہ چلا کہ اُن کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ کتاب ساری کائنات کے لئے سراپا ہدایت ہے۔

قرآن اور سابقہ کتب پر ایمان لانے میں فرق یہ ہے کہ قرآن پاک میں کسی قسم کی تحریف اور نقص کا امکان نہیں ہے۔ ان کے برعکس سابقہ کتابوں پر صرف اجمالی ایمان ہوتا ہے۔ اس کے متن پر ایمان نہیں ہوتا کیونکہ وہ اب اصلی حالت میں نہیں ہیں۔ سابقہ کتابوں کو تسلیم کرنے کا ایک مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس سے عصبیت پیدا نہیں ہوتی۔ اس طرح سے اتحاد اور یگانگت کی فضا پیدا ہو جاتی ہے اور جہاں تک عمل کا تعلق ہے وہ صرف قرآن مجید پر ہوگا۔ گویا متقی لوگ ہی منزل مقصود کی درست سمت پر گامزن ہوتے ہیں۔

جو لوگ قرآن کو اپنا دستورِ زندگی بنا لیتے ہیں وہ نہ صرف روحانی بلکہ جسمانی اعتبار سے اپنے دشمن پر غلبہ پاتے ہیں۔

اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ اسلام ایک تحریک ہے جو بھٹکے ہوئے کو راہ راست پر آنے کی دعوت تلقین دیتی ہے۔ گویا پہلی پانچ آیتوں میں اہلِ تقویٰ یعنی اسلامی تحریک کے حامیوں کا ذکر ہے۔ اس کے بعد مخالفینِ تحریک کا، گویا دوسرے گروہ کا ذکر ہو رہا ہے جو صرف کافر ہی نہیں بلکہ اُن کا کفر و عناد اپنی انتہا کو پہنچ چکا ہے جس کے بعد ان سے نیکی اور قبولِ اسلام کی توقع ہی نہیں۔ کُفر و مَعصِیت کے مسلسل اِرتکاب کی بدولت اُن کے قلُوب پر قبولِ حق کی استعداد اور صَلاحیت ختم ہو چکی ہے ان کے کان حق گوئی سننے کے لئے آمادہ نہیں، ان کی نگاہیں کائنات میں بکھری ہوئی رَبّ کی نشانیاں دیکھنے سے قطعی محروم ہیں۔ وہ تو ایمان لانے کے نہیں۔ ایمان تو اُن ہی لوگوں کے نصیب کا حصہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کا صحیح طریقہ جانتے ہیں حدیث مبارکہ میں بیان ہوا ہے کہ جب مومن سے گناہ سَرزد ہوتا ہے تو اس کے دل میں سیاہ (نقطہ) دھبہ پڑ جاتا ہے اگر وہ توبہ کر لے اور گناہ سے محفوظ رہے تو اس کا دل پہلے کی طرح شفّاف ہو جاتا ہے۔ لیکن توبہ نہ کی جائے تو گناہ پر گناہ کے سبب وہ دَھبہ پھیل کر تمام قلبْ میں پھیل جاتا ہے۔

صراحت کے ساتھ بتایا گیا کہ یہ وہ کتاب ہے جس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں۔ یہ وہ فرمانِ الٰہی ہے جس میں حیاتِ انسانی کے جُملہ امور، معاملات، اور حالات پر استدلال کیا گیا ہے۔ یہ وہی مجموعۂ ہدایت اور نور ہے جس کا تذکرہ سابقہ کتابوں اور صحیفۂ سماوی میں کیا گیا۔ گویا یہ نبی آخر الزماں ﷺ پر ایک آخری مکمل دستور اور مکمل ہدایت نامہ نازل کیا گیا۔ یہی وہ کتاب ہے جس میں کسی بھی نوعیت کا شک اور شبہ ممکن ہی نہیں۔ غرض یہ کہ اس کتاب میں جو بیان مذکور ہے وہ ایسا ہے جسے عقل تسلیم کرتی ہے، جسے ضمیر احساسِ عمل کے ساتھ مانتا ہے اس لئے اس پر کامل یقین، کامل اِیقان، کامل عمل رکھنا ضروری ہے اس میں لفظ ذٰلِکَ استعمال ہوا ہے۔ جس کے معنی ''وہ'' کے ہیں عام طور پر یہ لفظ عظمت و بڑائی، بزرگی اور برتری کے اظہار کے لئے آتا ہے ذٰلِکَ کا لفظ لانے کی غائیت یہ ہے کہ یہی وہ عظیم الشان مُقدّس کتاب ہے جس کا وعدہ سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام کے ذریعہ، سابقہ کتابوں اور صحیفہ مقدسہ میں کیا گیا، اس میں لاریب یعنی نہ تو کوئی شبہ ہے اور نہ کوئی شک اگر تمہیں تُذبذُب اور شُبہ کا امکان ہے کہ یہ کلامُ اللہ نہیں تو اس کی مثل ایک سورت کو پیش کرو لیکن وہ (کفر والے) اس سے عاجز رہے یہ کتاب وہ دستورِ حیات ہے جس پر عمل پیرا ہو کر انسان برائیوں اور بداعمالیوں سے محفوظ رہتا ہے اس کتاب کے بارے میں حتمی دعویٰ تو یہ ہے کہ یہ کتاب انسان کو صالح و نیک بنانے اور آخرت میں کامیابی و کامرانی عطا کرنے والی ہے۔ اس میں پرہیزگاروں کی صفات اور خُصوصیات کا واضح بیان ہے۔

(۱) اوّل...... متّقی وہ ہیں جنہیں غیبْ پر کامل یقین ہوتا ہے ارشادِ باری تعالیٰ ہے ''یہ غیب کی خبریں ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں' عام انسان اِن حقائق کی اصلیت اور حقیقت سے قطعی بے خبر ہیں۔ چونکہ ان اُمور کا علم رسول کے ذریعہ ہوتا ہے اس لئے ان کی باتوں پر ایمان لانا۔ یقین کرنا لازمی ہے۔

(۲) دوئم...... متقی کی دوسری علامت یہ ہے کہ وہ نماز کی پابندی اوقات کے ساتھ اور اہتمام و انصرام سے کرتے ہیں۔ دَرحقیقت نماز تمام عبادتوں کی ایک جامع عبادت ہے جس میں عقائد، نظریات، اقتصادیات، معاشرت، اخلاقیات اور امورِ سیاست کی تنظیم، ترتیب اور عملی تربیت تشکیل پاتی ہے۔

(۳) سوئم...... متقی کی تیسری علامت رصفت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں جن نعمتوں سے نوازتا ہے وہ ان سے تنہا فائدہ اٹھانے کے طلب گار نہیں ہوتے، بلکہ ان سے بنی نوع انسان کو بھی اِکتسابِ فیض کی ترغیب دیتے ہیں۔

(۴) چہارم...... مُتَّقِی کی چوتھی علامت رصفت یہ ہے کہ وہ قرآنِ مجید فرقانِ حمید پر جو رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا ایمان لاتے ہیں۔ گویا پرہیزگار ایمان باللہ کے بعد ایمان بالوحیٰ کے قائل ہوتے ہیں۔

(۵) پنجم...... متقی کی پانچویں علامت رصفت یہ ہے کہ وہ نہ صرف قرآن الحکیم پر ایمان رکھتے ہیں بلکہ سابقہ انبیاء اور رسل پر جو صحیفے اور آسمانی کتابیں، مثلاً تورات، زبور، انجیل نازل ہوئیں ان پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ یہ صحیفہ اور آسمانی کتابیں قرآن کے نزول کے بعد منسوخ ہوگئیں۔

(۶) ششم...... متقی کی چھٹی علامت رصفت ہے کہ وہ اس دنیا کو فانی سمجھتے ہیں اور اس دنیا کی زندگی کے بعد آئندہ آنے والی حیات یعنی آخرت، قیامت پر یقین رکھتے ہیں اس خیالِ ویقین کے ساتھ یہ کائنات ان کے لئے دار العمل ثابت ہوتی ہے ان کا اِیقان ہے کہ یہاں کے اعمال کے صلے کے مطابق سزا اور جزاء ملے گی۔ سزا اور جزاء کا عمل ہی انسان کو بُرائیوں سے نجات دیتا ہے اور نیکی کی طرف لے جاتا ہے اسی کا نام تَقْوٰی ہے گویا قرآن کو اپنا دستورِ حیات بنانا دنیا اور آخرت کے لئے ایک انعام ہے۔ سبحان اللہ۔

سورۃ البقرۃ کی ان پانچ ابتدائی آیات میں پرہیزگاروں اور اسلامی تحریک کے حامیوں کا ذکر ہے۔ اس کے بعد کی آیات میں واضح بیان ہے کہ وہ لوگ جو کُفر کے مُرتکِب ہوئے انہیں آپ ﷺ ڈرائیں یا نہ ڈرائیں سب برابر ہے وہ کسی بھی حال میں ایمان لانے والے نہیں۔

پرہیزگاروں کی جن صفات اور خوبیوں کا ذکر ہوا ہے ان میں سے کسی ایک علامت رصفت یا خوبی کا بھی جو لوگ انکار کرتے ہیں وہ دَرحقیقت کُفر کے مرض میں مبتلا ہیں۔ ان کے دل و دماغ اچھی صفات کو اپنانے کے قابل ہی نہیں رہے۔ آیت نمبر ۶ میں بتایا جا رہا ہے کہ سرکشی، بغاوت اور ضد ان میں اس قدر سرایت کرچکی ہے کہ وہ قبول اسلام کے لئے آمادہ ہی نہیں، غرض کسی اچھی بات کا اثر لینے کے لئے وہ تیار ہی نہیں، گویا ان کے قلُوب پر مہر ثبت ہوگئی ہے اس لئے وہ گمراہی سے دامن بچا کر ہدایت کے آغوشِ رحمت میں آنے سے قطعی طور پر محروم ہیں۔ نہ ان کی ضمیر کی آواز بیدار ہوسکتی ہے نہ نبی ﷺ کی تعلیمات اور ہدایات سے وہ فیضیاب ہوسکتے ہیں "ہائے! بیچاروں کے اعصاب پر گمراہی سوار" کے مصداق وہ ہدایت اور روشنی کا سفر طے کرنے سے قطعی محروم ہیں۔ ان کا قلب نورِ بَصِیرت سے یکسر خالی ہے۔ ایسے بد بختوں کا انجام کار یہ ہے کہ وہ دردناک عذاب کے مستحق ہوں گے۔ یہ آیاتِ مبارکہ وضاحت کے ساتھ اظہار کر رہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی تعلیمات اور نبی ﷺ کی ہدایت سے بے رُخی، چشم پوشی کرنے والے، اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور حضرت محمد ﷺ کی اطاعت سے منہ موڑنے والے ایک عذاب عظیم میں گرفتارِ بلا ہونے والے ہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۘ﴿٨﴾

اور لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر اور روزِ قیامت پر، لیکن حقیقت میں وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔(۸)

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ؕ﴿٩﴾

وہ اللہ تعالیٰ کو اور ایمان والوں کو فریب/دغا دیتے ہیں۔ لیکن درحقیقت وہ خود اپنے آپ کو فریب دے رہے ہیں، مگر سمجھتے نہیں۔(۹)

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ ۙ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿١٠﴾

اُن کے دلوں میں مرض تھا اللہ تعالیٰ نے اُن کے مرض کو مزید بڑھا دیا، اور اُن کے جھوٹ کی بناء پر اُن کے لئے دکھ دینے والا عذاب ہے۔(۱۰)

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ﴿١١﴾

اور جب اُن سے کہا جاتا ہے زمین میں فساد برپا نہ کرو تو جواب میں کہتے ہیں کہ ہم تو صرف اصلاح کرنے والے ہیں۔(۱۱)

اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿١٢﴾

جان لو یقینی طور پر یہی لوگ فساد کرنے والے ہیں لیکن نہیں سمجھتے۔(۱۲)

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَاۗءُ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاۗءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٣﴾

اور جب اُن سے کہا جاتا ہے جس طرح اور ایمان لائے ہیں تم بھی ایمان لاؤ تو جواب میں کہتے ہیں کیا ہم ایسا ایمان لائیں جس طرح ایمان لائے بیوقوف، سن لو! یقیناً یہی بیوقوف (احمق) ہیں لیکن جانتے نہیں!۔(۱۳)

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ښ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ﴿١٤﴾

اور جب ملاقات کرتے ہیں ایمان والوں سے تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب تنہا ہوتے ہیں اپنے شیطانوں کے پاس تو کہتے ہیں ہم تو تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم تو اُن سے صرف ہنسی (تمسخر) کرتے ہیں۔(۱۴)

اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿١٥﴾

اِن منافقوں سے اللہ تعالیٰ بھی مذاق کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی انہیں بیوقوف بنا رہا ہے اور انہیں شرارت اور سرکشی میں مہلت دے رہا ہے اس لئے وہ سرگرداں، پریشان پھر رہے ہیں۔(۱۵)

الفاظ ومعانی آیت ۸ تا آیت ۱۵

﴿ يُخٰدِعُوْنَ ﴾ وہ سب مل کر فریب دیتے ہیں خَادَعَ، یعنی فریب دیتے ہیں۔ کسی خوف سے بچنے کے لئے بات بنانے والے کو مُخَادِع کہا جاتا ہے۔﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ اور وہ لوگ جو ایمان لائے۔﴿ اِلَّآ ﴾ مگر ﴿ اَنْفُسَهُمْ ﴾ اپنے نفس کو اپنے آپ کو اَنْفُس، جانیں۔ نَفْس جان، اسم ہے ﴿ وَمَا ﴾ اور نہیں ﴿ يَشْعُرُوْنَ ﴾ وہ سمجھتے ہیں/جو شعور رکھتے ہیں۔ ان کی خودفریبی کا یہ عالم کہ کچھ احساس ہی نہیں ہے۔﴿ فِيْ قُلُوْبِ ﴾ دلوں میں۔﴿ زَادَ ﴾ اس نے اضافہ کیا/بڑھادیا۔ ﴿ قِيْلَ ﴾ کہا گیا ﴿ اِذَا قِيْلَ ﴾ جب کہا جاتا ہے ﴿ لَا تُفْسِدُوْا ﴾ تم فساد مت پھیلاؤ/تم فساد نہ ڈالو۔﴿ نَحْنُ ﴾ صیغہ جمع، ہم۔﴿ اَنَا ﴾ میں، واحد کے لئے۔﴿ مُصْلِحُوْنَ ﴾ جمع مذکر اسم فاعل ہے، اصلاح کرنے والے۔

﴿ اٰمَنَ ﴾ وہ ایمان لایا۔ ﴿ اِیْمَانٌ ﴾ ایمان لانا اور ایمان تسلیم کرنا۔ ﴿ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ﴾ احمق لوگ ایمان لائے۔ ﴿ سفہا ﴾ جمع ہے، بےوقوف، واحد سَفِیۡهٌ: کم عقل احمق۔ ﴿ نُؤۡمِنُ ﴾ ہم ایمان لائیں۔ ﴿ كَمَآ ﴾ جس طرح، جیسے۔ (لَقُوۡا). لَقِیَ. یَلۡقٰی۔ جب وہ ملے ﴿ اَلَآ ﴾ حرف تنبیہ، خبردار، ہوشیار ہو جاؤ ﴿ اِنَّ ﴾ کوئی شبہ نہیں، بیشک۔ لٰکِنۡ، لیکن ﴿ خَلَوۡا ﴾ وہ جدا ہوئے، الگ ہوئے۔ ﴿ وَاِذَا خَلَوۡا ﴾ جب علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں۔ ﴿ يَمُدُّ ﴾ مَدَّ، یَمُدُّ وہ مہلت دیتا ہے۔ وہ ڈھیل دیتا ہے ﴿ طُغۡيَانِهِمۡ ﴾ ان کی سرکشی ﴿ يَعۡمَهُوۡنَ ﴾ کسی چیز میں گھس جانا، دل کا اندھا ہونا، وہ عقل کے اندھے ہیں۔ ﴿ العمہ ﴾ جس کے معنی اندھوں کی مانند، بھٹکنے کے ہیں گویا ایسی حالت کہ انسان کو راستہ سُجھائی نہ دے اور اندھوں کی طرح ہاتھ پاؤں مارتا رہے۔

تشریحات وتوضیحات، آیت ۸ تا ۱۵

اِن آیاتِ مبارکہ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ یہاں سے "منافقین" کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔ اس سے پہلے کی آیاتِ مبارکہ میں دو قسم کے لوگوں یعنی مومنوں اور کافروں کا تذکرہ تھا، مُنافقین کا گروہ وہ گُروہ ہے جن کے دل تو ایمان سے خالی تھے مگر وہ اہلِ ایمان کو دھوکہ دینے کے لئے زبانی طور پر ایمان کا اظہار کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وہ نہ تو باری تعالیٰ کو فریب دینے میں کامیاب ہو سکتے ہیں" کیونکہ اللہ تو سب کچھ جاننے والا ''خبیر'' ہے اور نہ وہ اہلِ ایمان کو مستقل دھوکہ میں رکھ سکتے ہیں اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعہ سے جو رسول اللہ ﷺ کے دلِ اطہر پر نازل ہو رہی ہے مسلمانوں کو ان کی فریب کی ترکیبوں سے آگاہ فرما دیتا تھا چنانچہ اِس فریب کاری کا سارا خسارہ انہی کو پہنچا۔ انھوں نے اپنی عاقبت پامال کر لی اور دنیا میں بھی رسوا اور ذلیل ہوئے۔

بات دراصل یہ ہے کہ بعض ایسے لوگ ہیں جو نہ دل سے ایمان لاتے ہیں اور نہ ہی صاف صاف انکار ہی کرتے ہیں، بلکہ بظاہر زبان سے مسلمانوں کو بطور اظہار کہتے ہیں ہم بھی اللہ کی توحید، حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی نبوّت، رسالت، دعوت اور قرآن کے "مُنَزَّلُ مِنَ اللّٰہ" ہونے اور آخرت کے وقوع کو تسلیم کرتے ہیں حالانکہ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ یقین نہیں رکھتے اور کِذّبُ (جھوٹ) سے کام لیتے ہیں۔ مُنافق کی سب سے بڑی علامت یہ ہے کہ وہ زبان سے کچھ ادا کرتا ہے اور عمل اس کا کچھ ہوتا ہے گویا اس کے قول وفعل میں تضَاد پایا جاتا ہے۔ حضرت محمد ﷺ کی ہجرت سے قبل یثرب (مدینہ) میں قبیلہ خزرج کے سرغنہ عبداللہ ابن ابی بن سلول جسے رئیس المنافقین کہنا زیادہ بہتر ہے) نے لوگوں کو یہ کہہ کر بہکایا کہ مسلمانوں کی خوشی کی خاطر، زبان سے اسلام لانے کا اقرار کرتے رہو اور کہتے جاؤ کہ ہم بھی مسلمان ہیں لیکن دل سے اپنے عقیدے پر قائم رہو، قبیلہ خزرج کے ساتھ قبیلہ اوس اور یہودیوں کی ایک جماعت بھی اس کی ہمنوا ہوگئی گویا جب وہ مسلمانوں سے ملتے تو کہتے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں اور جب مسلمانوں سے جدا ہوتے تو دوسروں سے کہتے بس ہم تو مسلمانوں کو فریب دینے کے لئے یہ طرزِ عمل اختیار کر رہے ہیں۔ بہر نوع اللہ کی رحمت نے دین اسلام کو ان بدظنوں سے محفوظ رکھا اور باوجود کوشش کے یہ دینِ اسلام کو نقصان نہ پہنچا سکے۔ والحمد للہ تعالیٰ سبحانہٗ۔

اگر آپ کی خاطرِ معصوم پر گراں نہ گذرے تو عرض کرنے کی جسارت کروں۔ آج مسلمانوں کا بھی یہی کچھ حال ہے زبانی طور

پر، اقرار بِاللّسان کے طور پر اپنے موروثی مسلمان ہونے کا دعویٰ اور اعلان اپنی جگہ پر قائم ہے۔لیکن اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے سے اپنا دامن چھوڑاتے ہیں گویا جی چُراتے ہیں۔بقول علامہ اقبالؔ ۔

ع سجدے کی جوملا کو ہے ہند میں اجازت

بیچارہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

اس طرح آج مسلمانوں میں اگر عقیدہ نہیں تو عمل کی مُنافقت بدرجہا اَتم ہے اسی کا نتیجہ ہے کہ آج مسلمان ہر قسم کی ذِلّت اور رُسوائی کی زندگی بسر کر رہا ہے اسے نہ امن ہے نہ سکون۔آج کا مسلمان اگر طمانیت قلب اور سچے دل کی گہرائی اور گیرائی کے ساتھ عملی زندگی کی راہ اختیار کرے تو اس کی متاعِ زندگی عظمتِ گُم گشتہ دوبارہ پاسکتی ہے اور سارے مسائل ووسائل خواہ اُن کا تعلق اقتصادیات، اخلاقیات سیاسیات اور معاشی طرز معاشرت سے ہو، سب خود بخود حل ہو جائیں گے۔انشاء اللہ تعالیٰ۔لیکن اس کو جو کم نصیبی کہا جائے یا بدنصیبی کا نام دیا جائے، اسلام کو بہتر جاننے والا اور سمجھنے والا مسلمان عملی طور پر مُتوجّہ ہی نہیں ہوتا۔کہتا رہتا ہے "عمل کی اپنی اساس کیا ہے، بجز ندامت کے پاس کیا ہے" جس کا خمیازہ آج ہم بھگت رہے ہیں۔یہ بے عملی ہی کا تو آخر نتیجہ ہے کہ ہم مادی اور روحانی مسرت سے قطعی محروم ہیں۔ہم یہ بھول گئے ہیں ۔

ع عمل سے زندگی بنتی ہے جنّت بھی جہنّم بھی

یہ اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے اقبالؔ

غرض، وہ لوگ جن کا ظاہر کچھ ہو اور باطن کچھ وہ اسلام کا نام لے کر دینِ اسلام کو نقصان پہنچانے پر تلے ہوئے ہیں وہ اس خود فریبی میں اپنا خود نقصان کر رہے ہیں۔

فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ

پس بڑھادی اللہ تعالیٰ نے بیماری اُن کی

جس طرح جسمانی امراض، غلط علاج، بد پرہیزی اور لاپرواہی کی بنا پر بڑھ جاتے ہیں اسی طرح اخلاق رَذیلہ یعنی بداخلاقیاں بھی خوفِ خدا اور احکامِ باری تعالیٰ کی پابندی نہ کرنے سے بڑھ جاتے ہیں ان بداخلاقیوں میں جھوٹ سب سے بڑی برائی ہے اگر انسان اِس سے باز نہ آئے اور خوفِ خدا غالب نہ رہے تو جھوٹ فطرتِ ثانیہ ہو جاتی ہے یہاں مَرَضًا سے مراد وہی کُفر ونِفَاق کی بیماری ہے جس کی اصلاح کی فکر نہ کی جائے تو وہ مزید بڑھتی ہی چلی جاتی ہے، اسی طرح جھوٹ بولنا مُنافقین کی علامات میں سے ہے جس سے بچنا لازمی ہے۔

کُفر ومَعصیتُ فساد کی علامت ہے۔ہر دور کے مُنافقین کا یہی روّیہ رہا ہے کہ وہ فساد برپا کرتے ہیں اشاعتِ منکرات کی کرتے ہیں اور دینِ اسلام کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں اور ان کا دعویٰ یہ ہوتا ہے کہ وہ اصلاح اور ترقی کے لئے کوشاں ہیں۔

صحابہ رضی اللہ عنہم جنہوں نے اللہ کی راہ میں جان ومال کی کبھی قربانی سے دریغ نہیں کیا اُن مُنافقین نے ان کو بے وقوف سمجھا اور

احمق جانا، اللہ تعالیٰ نے جدید وقدیم مُنافقین کی واضح طور پر تردید کی ہے، اور ارشاد ربی ہوا کہ کسی نیک مقصد کے لئے ان دینوی مفادات کو اللہ کی رضا کے لئے قربان کر دینا بے وقوفی اور احمق پن نہیں ہے بلکہ عین دانش مندی اور سعادت بابرکت ہے اس لئے وہ صرف پکے سچے مومن ہی نہیں، بلکہ ان کی ذاتِ گرامی ایمان کے لئے ایک اعلیٰ معیار اور کسوٹی ہے الحمدللہ اب ایمان کی کسوٹی یہ ہے ان ہی صحابہ کرام کی طرح ایمان لائیں۔

فَاِنْ اٰمَنُوۡا بِمِثۡلِ مَاۤ اٰمَنۡتُمۡ بِهٖ فَقَدِ اهۡتَدَوۡا ۚ

''پس اگر وہ لوگ بھی اس طرح ایمان لے آئیں جس طرح تم لے آئے ہو تو ہدایت یافتہ ہو جائیں۔

آیت ۱۳۷ سورۃ البقرہ پارہ الٓمّٓ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی اسی مذکورہ طریق پر ایمان لائے۔ مثال اس لئے بیان کی جارہی ہے۔ جس طرح وہ ایمان لائے تم بھی اسی طرح ایمان لے آؤ تو تم ہدایت پانے والے ہو جاؤ گے۔

آخرت کی پائیدار زندگی اور دائمی حیات کے مقابلے میں دنیا کی فانی زندگی کو ترجیح دینا، اور اللہ کے بجائے لوگوں سے خوف زدہ ہونا انتہائی درجے کی کم عقلی کی دلیل ہے۔ جس کا ارتکاب ان مُنافقین نے کیا گویا وہ مُسلّمہ حقیقت سے بے خبر رہے۔ ان مُنافقین کو جھوٹ کے سبب دردناک عذاب ہوگا۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد مت پھیلاؤ تو کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں۔ یہ مُفسد ہیں لیکن اپنے آپ کو مُصلح جانتے ہیں۔ اور جب اپنے گروہ کے لوگوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم تو ان سے (مذاق/تمسخر) کرتے ہیں۔

مُنافقین کے جواب پر اللہ تعالیٰ واضح انداز میں بتا رہا ہے کہ یہ لوگ صلح جو، اور مُصلح نہیں ہیں، ساری خرابیاں انہی کے سبب معرضِ وجود میں آرہی ہیں، فساد انہی کا پھیلایا ہوا ہے ان سے بچنا چاہئے، بہتر تو یہ ہے کہ تم بھی اپنے دوسرے ہم قوم لوگوں کی طرح ایمان لے آؤ اور حضرت محمد ﷺ کی لائی ہوئی تعلیمات اور شریعت کو دل وجان سے قبول کرو۔

مُنافقین اہل ایمان کو اس لئے بھی بیوقوف جانتے تھے کہ وہ دینِ حق کی خاطر دنیا لٹا دیتے تھے، مُنافقین کے نزدیک تو دنیا اور اس کی لذت ہی سب کچھ ہے۔ صد افسوس! آج بھی بدقسمتی سے دورِ حاضر بلکہ یوں کہیے عصر جدید کے نام نہاد روشن خیال، اپنے زعمِ باطل میں مبتلا ہو کر اہلِ ایمان کو دقیانوسی، رجعت پسند اور ناسمجھ، ناداں کے خطابات عطا کر رہے ہیں، اور یہ سب کچھ اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ صراطِ مستقیم، دینِ حق، دینِ مبین اور دینِ حنیف کے مطابق زندگی بسر کرنے کی دعوتِ عمل دیتے ہیں۔

اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دونوں کے سوچنے، سمجھنے، زندگی گزارنے کے طریقے جُدا جُدا ہوتے ہیں۔ دونوں کے اخلاق وعادات، ماحول اور عقائد اعمال میں ہر طرح کا بَیّن فرق ہوتا ہے۔ ایک اپنی جگہ مطمئن خوش اور مُسرور رہتا ہے تو دوسرا بے چین، بیقرار اور پریشان حال۔ مُنافق جب اہلِ ایمان کی اسلام دوستی اور اس پر بے دریغ جانی مالی ایثار اور قربانی کو دیکھتا ہے تو کہنے لگتا ہے یہ بیوقوف بہت جلد تباہ ہو جائیں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ اُن کے اس خیال کی تدبیر میں ارشاد فرماتا ہے۔

اِنَّهُمۡ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰـكِنۡ لَّا يَعۡلَمُوۡنَ

بے شک! سن لو یہی بے وقوف ہیں لیکن وہ نہیں جانتے

بیوقوف تو یہ خود ہیں چندروزہ زندگی اوراس کے مال ومتاع پراتر کرخودفریبی میں مبتلا ہیں۔ گویا منافق میں حق وباطل میں امتیاز کرنے کی صلاحیت سرے سے موجود ہی نہیں۔

یہ مُنافقین دوزخی طرزِ زندگی اختیار کیئے ہوئے ہیں یہ کہنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ غرض کے لئے مسلمانوں سے تعلق رکھتے ہیں اوراپنے ہم خیال لوگوں سے بھی تعلق رکھتے ہیں گویا نہ قول کے سچّے نہ عمل کے پکّے۔

مُنافقین کی اس چال بازی پراللہ تعالیٰ کا عتاب ہوتا ہے یہ نالائق، کم عقل، کم فہم، بھلا مسلمانوں کا کیا تُمسخر اُڑا سکیں گے اللہ سبحانہٗ تعالیٰ خود اُن کا مذاق اڑارہا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے دراصل باری تعالیٰ انہیں ذلیل ورسوا کررہا ہے وہ اپنی سرکشی کے سبب متزلزل ہیں۔ حق تعالیٰ کے مقابلہ میں باطل کی راہ اختیار کرنا اوراس پراڑے رہنا یہ نادانی اور بیوقوفی نہیں تو اور کیا ہے؟ پھرتم کس منہ سے مسلمانوں کو بیوقوف کہتے ہو؟ اے منافقو! تمہیں اپنی خودفریبی کے اندھیرے اور تاریکی میں راستہ سُجھائی نہیں دیتا، اس لئے بھٹک رہے ہو۔ مسلمانوں کو بیوقوف کہنے والے خود ہی بصیرت وبصارت سے قطعی محروم ہیں۔ جس کی وجہ سے وہ پریشان حال ہیں اوران کی سمجھ میں نہیں آتا کیا کریں۔ کیا نہ کریں۔

اَللّٰہُ یَسۡتَہۡزِئُ بِہِمۡ

اللہ تعالیٰ بھی اُن سے مذاق کرتا ہے

اس کا ایک مطلب یہ ہوا کہ وہ جس طرح مسلمانوں کے ساتھ توہین آمیز معاملہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ بھی ان سے اسی نوعیت کا حقارت آمیز معاملہ کرتے ہوئے انہیں ذِلّت اوررُسوائی میں مبتلا کرتے ہیں دوسرا مطلب یہ ہے کہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ بھی اِن مُنافقوں سے ارشاد فرمائے گا۔ آیت نمبر۱۳ سورۃ الحدید پارہ نمبر۲۷ قَالَ فَمَا خَطۡبُکُمۡ

یَوۡمَ یَقُوۡلُ الۡمُنٰفِقُوۡنَ وَ الۡمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوا انۡظُرُوۡنَا نَقۡتَبِسۡ مِنۡ نُّوۡرِکُمۡ ۚ

اس دن منافق مرد اور منافق عورتیں اہلِ ایمان سے کہیں گے کہ ہمارا انتظار تو کرو، ہم بھی تمہارے نور سے کچھ روشنی حاصل کرلیں۔ (آیت نمبر۱۳ سورہ الحدید پارہ نمبر۲۷)

یہ مُنافقین کچھ فاصلے تک اہلِ ایمان کے ساتھ اُن کی روشنی میں چلیں گے پھر رَبِّ جلیل مُنافقین پراندھیرا اور تاریکی مُسلّط کردے گا۔ اس وقت وہ اہلِ ایمان سے یہ کہیں گے پھراہل ایمان کا کیا جواب ہوگا قرآن کی زبان میں سنئے ''تم اپنے پیچھے لوٹ جاؤ اور روشنی تلاش کرو''

گویا اہل ایمان کہیں گے، پیچھے جہاں سے ہم یہ نور لائے تھے وہیں جاکراسے تلاش کرو۔ جب قیامت کے دن دونوں کے مابین دیوار حائل ہوجائے گی تو منافق مسلمانوں سے کہیں گے کیا دنیا میں ہم تمہارے ساتھ نمازیں نہیں پڑھتے تھے؟ جہاد میں حصّہ نہیں لیتے تھے؟ مسلمانوں کا جواب ہوگا تم نے اپنے دلوں میں کُفراورنفاق چُھپا رکھا تھا جس میں شیطان نے تمہیں مبتلا رکھا۔

❁❁

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ فَمَا رَبِحَت تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ﴿١٦﴾

یہی وہ لوگ ہیں، جنہوں نے مُول لی گمراہی ہدایت کے بدلے میں نہ تو اُن کی تجارت ہی نے کچھ فائدہ پہنچایا اور نہ ہدایت یافتہ ہوئے۔ (۱۶)

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَّا يُبْصِرُونَ ﴿١٧﴾

اُن کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی اور پھر جب روشن کر دیا آگ نے اپنے اردگرد کی چیزوں تو زائل کر دی اللہ تعالیٰ نے اُن کی روشنی اور چھوڑا ان کو اندھیروں میں لہٰذا وہ کچھ نہیں دیکھتے۔ (۱۷)

صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴿١٨﴾

وہ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں، تو اب وہ واپس نہ ہوں گے۔ (۱۸)

أَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَرَعْدٌ وَبَرْقٌ يَجْعَلُونَ أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِم مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۚ وَاللَّهُ مُحِيطٌ بِالْكَافِرِينَ ﴿١٩﴾

یا اُن کی مثال ایسی ہے جیسے زور سے مینہ برس رہا ہو آسمان سے، اس میں اندھیرے ہوں اور بادل گرج رہا ہو اور بجلی چمک رہی ہو، بجلی کی کڑک اور موت کے خوف، ڈر سے کانوں میں انگلیاں ڈال لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کافروں کو گھیرنے والا ہے (۱۹)

يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ أَبْصَارَهُمْ ۖ كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُم مَّشَوْا فِيهِ وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٠﴾

قریب ہے کہ بجلی اُچک لے اُن کی آنکھیں، جب چمکتی ہے اُن پر تو چلنے لگتے ہیں اس کی روشنی میں اور جب اندھیرا چھا جاتا ہے تو کھڑے رہ جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان کے کانوں کی (سماعت) اور آنکھوں کی (بصارت) کو زائل کر دیتا، بے شک اللہ تعالیٰ ہر شے، پر قدرت رکھتا ہے۔ (۲۰)

الفاظ معانی آیت نمبر ۱۶/ تا ۲۰

﴿ أُولَٰئِكَ ﴾ اسم اشارہ ہے یہی لوگ ﴿ مُهْتَدِينَ ﴾ ہدایت لینے والے ﴿ فَمَا ﴾ پس نہیں ﴿ رَبِحَت ﴾ فائدہ دیا اُس نے ﴿ رِبْحٌ ﴾ نفع، فائدہ ﴿ اسْتَوْقَدَ ﴾ جلائی، اس نے سلگائی ﴿ حَوْلَ ﴾ آس پاس ﴿ ذَهَبَ ﴾ وہ لے گیا ﴿ تَرَكَ ﴾ اس نے چھوڑ دیا، ترک کر دیا ﴿ يُبْصِرُونَ ﴾ وہ نہیں دیکھتے ہیں ﴿ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ ﴾ اللہ نے ان سے وہ روشنی چھین لی ﴿ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَّا يُبْصِرُونَ ﴾ اور اس نے انہیں اندھیروں میں چھوڑ دیا وہ کچھ نہیں دیکھ سکتے۔ ﴿ لَا يَرْجِعُونَ ﴾ رَجَعَ، يَرْجِعُ۔ واپس ہونا، لوٹنا، نہیں پلٹیں گے۔ ﴿ صُمٌّ ﴾ بہرے، اس کا واحد اَصَمُّ ہے۔ ﴿ بُكْمٌ ﴾ اس کا واحد اَبْكَمُ ہے گونگے۔ ﴿ عُمْيٌ ﴾ اس کا واحد اَعْمٰی ہے اندھے، روشنی سے محروم۔ ﴿ صَيِّبٌ ﴾ صَوْبٌ سے صیغہ مبالغہ ہے، برسنے والا بادل، زوردار بارش۔ ﴿ رَعْدٌ ﴾ گرج۔ ﴿ أَصَابِعُ ﴾ اس کا واحد اِصْبَعٌ ہے انگلیاں ﴿ بَرْقٌ ﴾ بجلی کی چمک۔ ﴿ الصَّوَاعِقِ ﴾ بجلی کے گرنے کی آواز۔ اس کا واحد صَاعِقَةٌ ہے ﴿ حَذَرَ الْمَوْتِ ﴾ موت کا خوف، ﴿ مُحِيطٌ ﴾ احاطہ میں لینے

والا، چاروں طرف سے گھیر لینا۔ ٭ یَخْطَفُ ٭ وہ جھپٹ لے، ٭ اَضَآءَ ٭ وہ منور کیا، روشن کیا۔ ٭ مَشَوْا ٭ وہ چلے مَشْی، یَمْشِیْ چلانا۔ ٭ قَامُوْا ٭ قائم۔ قامہ وہ کھڑے ہوگئے قَامَ یَقُوْمُ ٭ قَدِیْرٌ ٭ قدرت رکھنے والا۔

تشریح وتوضیحات آیت ۱۶/تا ۲۰

اِن آیاتِ مبارکہ میں اظہار بیان یہ ہے کہ یہ وہی مُنافق ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی مُول لے لی ہے یہ راہِ راست پر آنے والوں میں سے نہیں، یہ سراسر خسارے میں مبتلا رہیں گے۔ یہ وہ مُنافق ہیں جو خودغرضی اور نفس پرستی میں مبتلا تھے، گویا انہوں نے حق کے بجائے گمراہی کو اپنا بنا رکھا ہے، حق کی راہ سے ہٹ کر ظُلمت وتاریکی اور باطل میں بھٹکتے رہے چونکہ راہ ہدایت کو خود پانا نہیں چاہتے تھے اس لئے اللہ نے اُن سے نور بصیرت چھین لیا۔

مُفسرین نے بیان کیا کہ ''تِجَارَتُهُمْ'' سے مراد ہدایت چھوڑ کر گمراہی کی طرف مائل ہونا ہے جو سراسر خسارے کا سودا ہے مُنافقین نے نفاق کالبادہ اوڑھ کر یہی گھاٹے والی تجارت اپنائی ہے لیکن یہ خسارہ دَرحقیقت آخرت کا خسارہ ہے کوئی ضروری تو نہیں کہ اس نقصان اور گھاٹے کا پتہ دنیا میں ہوجائے بلکہ ان کی کیفیّتِ حال یہ ہے کہ دنیا میں اس نفاق کے ذریعہ جو انہیں فوری، عارضی فائدے ہیں اس پروہ بے انتہا خوش ہیں اس اساس پر اپنے آپ کو ذِی عقل، دانشمند اور مسلمانوں کو عقل وفہم کی صلاحیت سے محروم سمجھ رہے ہیں کتنے ناداں ہیں یہ لوگ شعلہ کو ہوا دے رہے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کو اس مفہوم میں بیان کیا ہے کہ جب حضرت محمد ﷺ مدینہ منورہ ہجرت فرما کر تشریف لائے تو کچھ لوگ مسلمان ہوگئے بعد میں جلد ہی منافق بن گئے گویا جو تاریکی میں تھا اس نے روشنی پائی، جس سے ماحول روشن روشن وتاباں تاباں ہوگیا سودمند اور نقصان رساں چیزوں کا ان کو علم ہوا پھر اچانک وہ روشنی مدہم ہوگئی اور بادستور یہ منافق تاریکی میں چلے گئے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ پہلے وہ شرک کی تاریکی میں مبتلا تھے مسلمان ہوئے تو نور میں آگئے خیر وشر، حلال وحرام کی تمیز کرنے لگے لیکن وہ دوبارہ کُفر اور نِفاق کی طرف پلٹ گئے تو ساری بَصیرت اور بَصارت جاتی رہی۔ (بحوالہ فتح القدیر)

وہ نور بصیرت سے محروم ہوگئے اس لئے کہ انہوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد انکار کیا نتیجہ یہ ہوا کہ گمراہی میں آگئے، حق سے ضد اور انحراف کی وجہ سے اُن کی قوت گویائی دینِ حق کا اقرار کرنے سے قاصر ہے، گویا یہ حق بات سننے سے بَہرے ہیں، حق گوئی کے لئے بہرے، گونگے اور حق شناسی وحقِ مُبین کے لئے اندھے ہیں۔ یہاں یہ مثال صَیِّبٌ بادِ باراں یا بارش کی دی گئی ہے مفسرین نے بارش سے مراد ''اسلام'' بتایا ہے جو بنی نوع انسان کے لئے دینی ودنیاوی نقطۂ نظر سے رحمت ہی رحمت اور کرم ہی کرم ہے مفسرین نے لکھا ہے کہ ظُلمت سے مراد وہ آلام ومصائب ہیں جو اسلام لانے پر برداشت کرنے پڑتے ہیں اسی طرح لفظ رعد بجلی کی کڑک سے مراد وہ الجھنیں اور پریشانیاں ہیں جو مخالفینِ اسلام کے حملوں سے وقوع پذیر ہوتی ہیں، بجلی کی کڑک اور چمک کی بناء پر موت کے خوف سے یہ اپنے کان میں انگلیاں دبا (ٹھونس) لیتے ہیں، مُفسرین نے لکھا ہے کہ لفظ صَوَاعِقِ سے مفہوم قرآنی تعلیمات ہیں جن کی طرف وہ مائل ہونا ہی نہیں چاہتے اس لئے قرآن سننا پسند نہیں۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۲۱﴾

اے لوگو! بندگی کرو اپنے رب کی جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا تا کہ تم پرہیز گار اور متقی بن سکو (۲۱)

الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾

اور اُس اللہ سے ڈرو جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے مینہ برسا کر اِس سے پھل پیدا کر کے تمہیں روزی دی پس اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور تم جانتے بھی ہو۔ (۲۲)

وَاِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۳﴾

اور اگر تم شک میں ہو اس کلام سے جو ہم نے نازل کیا ہے اپنے بندے (محمد ﷺ) پر تو لے آؤ ایک سورت اِس جیسی اور اللہ کے سوا جو تمہارے مددگار ہیں اُن کو بلا لو اگر تم سچے ہو (۲۳)

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِىْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖۚ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۴﴾

پس اگر ایسا نہ کر سکو، اور تم ہرگز نہ کر سکو گے تو پھر اس آگ سے بچو، جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں اور جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ (۲۴)

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِىْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵﴾

اور ایمان والوں کو اور نیک عمل کرنے والوں کو خوش خبری سنا دیجئے! کہ ان کے لئے ایسے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، جب وہاں ان کو ملے گا کھانے کو کوئی میوہ (پھل) تو کہیں گے، یہ تو وہی ہے جو ملا تھا ہم کو اس سے پہلے، اور ان کو ایک دوسرے کے ہم شکل میوے دیئے جائیں گے اور ان کے لئے وہاں پاکیزہ (نیک) بیویاں ہوں گی اور ہمیشہ وہاں رہیں گے۔ (۲۵)

رسول اللہ ﷺ کی رسالت اور باری تعالیٰ کی وحی جیسی عظیم نعمتوں کے مقابلے میں دنیا اور دنیا کے لیل و نہار میں کھوئے ہوئے ہیں لیکن یہ تدبیریں اور یہ خوف و ہراس انہیں اللہ کی گرفت سے نہیں بچا سکے گا کیونکہ وہ اللہ کے عذاب سے بچ نہیں سکتے، کبھی حق کی کرن ان پر پڑتی ہے تو حق کی طرف مائل ہو جاتے ہیں اور جب مسلمانوں پر آزمائش اور مشکلات کا وقت آتا ہے تو حیرانی کے عالم میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔ (بحوالہ ابن کثیر)

یہ اللہ کا اختیار ہے کہ وہ جب چاہے اپنی عطا کردہ صلاحیتوں کو سلب کر لے اس لئے انسان پر لازم ہے کہ اللہ جل شانہٗ کی اطاعت سے گریزاں اور اس کے عذاب اور آزمائش سے کبھی بے خوف نہ ہو۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

الفاظ معانی آیت ۲۱ تا ۲۵

﴿ یٰاَیُّہَا ﴾ یا حرف ندا۔ اے، ھَا تنبیہ کے لئے ہے ﴿ اَلنَّاسُ ﴾ اس کا واحد انسان ہے، لوگ۔ ﴿ اُعْبُدُوْا ﴾ عَبَدَ، یَعْبُدُ بندگی اختیار کرو، عبادت کرو۔ ﴿ تَتَّقُوْنَ ﴾ تم محفوظ رہو۔ ﴿ جَعَلَ ﴾ بنا دیا۔ ﴿ یَجْعَلُ ﴾ قرار دینا۔ ﴿ اَخْرَجَ ﴾ یُخْرِجُ، نکالا، پیدا

کئے، خارج کیا۔﴿ اَلْاَرْضَ ﴾ زمین۔﴿ اَنْزَلَ ﴾ اتارنا، اس نے نازل کیا۔﴿ بِنَآءً ﴾ چھت، عمارت ﴿ اَلثَّمَرٰتِ ﴾ اس کا واحد ثَـمَـرٌ، میوے پھل۔﴿ تَعْلَمُوْنَ ﴾ تم جانتے ہو۔﴿ عَلِمَ یَعْلَمُ ﴾ سیکھا علم کا رکھنا۔﴿ ﴾ تم تھے ﴿ اَتٰى ، یَاتِیْ، اِیْتَـانٌ ﴾ لے آؤ ﴿ اُدْعُوْا ﴾ تم بلاؤ۔﴿ لَمْ تَفْعَلُوْا ﴾ تم نے نہ کیا۔﴿ اِتَّقُوْا ﴾ ڈرتے رہو۔﴿ اَلنَّارُ ﴾ آگ۔﴿ وَقُوْدُ ﴾ ایندھن۔﴿ بِسُوْرَةٍ ﴾ کوئی سورت، سورۃ قرآن وہ جزو جس کا اول آخر معلوم ہو اور جو کسی نہ کسی اسم کے ساتھ مخصوص ہو، یہ کم از کم تین آیتوں پر مشتمل رمرکب ہو۔﴿ اَنْدَادًا ﴾ نـدّ اس کا واحد ہے، جوڑ، شریک کرنا۔﴿ مِّثْلِهٖ ﴾ اس کی مانند (اس کی طرح) ﴿ صٰدِقِیْنَ ﴾ سچے راست گو۔﴿ اُعِدَّتْ ﴾ وہ تیار کی گئی ﴿ اٰمَنُوْا ﴾ وہ ایمان لائے۔﴿ عَمِلُوْا ﴾ وہ عمل پیرا ہوئے۔﴿ تَجْرِیْ ﴾ بہتی ہے۔﴿ رُزِقُوْا ﴾ رَزَقَ، یَرْزُقُ رزق عطا کیا گیا۔﴿ حِجَارَةُ ﴾ کنکریاں، پتھر، حـجـرٌ کی جمع ہے ﴿ تَحْتِ ﴾ نیچے۔﴿ هٰذَا ﴾ اسم اشارہ قریب، مذکر ہے قواعد کے لحاظ سے۔ یہ ﴿ مُتَشَابِهًا ﴾ اس کی طرح اس کی مانند ایک جیسا، قواعد کے لحاظ سے اسم فاعل ہے۔﴿ اَزْوَاجٌ ﴾ زَوْجٌ کی جمع، جوڑے۔﴿ مُطَهَّرَةٌ ﴾ پاکیزہ، صاف ستھری۔﴿ خٰلِدُوْنَ ﴾ جمع مذکر بحالت رفع اِسم فاعل۔ وہ ہمیشہ رہیں گے۔

تشریح وتوضیحات آیت ۲۱ تا ۲۵

اِن آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی توحید، اس کی شان عظمت اور کبریائی کا اظہار بیان ہے، بنی نوع انسان سے خطاب ہے اور بیان ہے کہ اے لوگو! اپنے رَبّ کی عبادت اور اطاعت کرو جو تمہارا بھی اور تم سے پہلے لوگوں کا بھی خالق اور مالکِ حقیقی ہے جس نے تمہیں حقیر رادنیٰ سے اعلیٰ بنادیا گویا حضرت انسان کو اشرف المخلوقات کا رتبہ عطا کیا، اللہ کے قرب کا واحد ذریعہ اللہ کی اطاعت اور بندگی ہے بقول شاعر

ع زندگی آمد برائے بندگی
زندگی بے بندگی شرمندگی

عبادت، وہ واحد ذریعہ ہے جس سے صحیح معنوں میں اِنسان، اِنسان بنتا ہے۔ عبادت بشر کو ہمدردی، محبت، اُخوّت، جذبہ ایثار اور جذبہ خدمتِ خلق کی طرف مائل کرتی ہے گویا عبادت کے ذریعہ ایک طرف تو اللہ سے ربط پیدا ہوتا ہے تو دوسری طرف اس کی مخلوق سے تعلق پیدا ہو جاتا ہے۔ عبادت کا تصور صرف یہ نہیں کہ ارکان اسلام کو بجالایا جائے بلکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا اور خوشنودی کی طلب کے لئے جو بھی فرائض سرانجام دیئے جائیں وہ عبادت ہی عبادت ہے۔ اسلام میں عبادت کا تصوّر ہمہ گیر معنیٰ اور مفہوم میں آتا ہے، بسا اوقات ارکانِ اسلام کو ہی عبادت کا نام دیا جاتا ہے اس لئے کہ یہ ارکان اسلام قرب الٰہی کا ایک ذریعہ ہیں اللہ ہی سب کا پالن ہار اور رَبّ ہے۔ ان آیاتِ مبارکہ میں صفت باری تعالیٰ کی طرف توجہ مبذول کرا کے بتایا جارہا ہے کہ اگر تم اللہ کی بندگی اختیار کرو گے تو اللہ کی عبادت کی برکت سے تم سے ساری بُرائیاں رفع ہو جائیں گی اور تمام تر خوبیوں سے آراستہ ہو جاؤ گے۔

ہدایت اور ضَلَالَت کے اعتبار سے انسانوں کے تین گروہوں کے ذکر (یعنی مؤمن (اہلِ ایمان) کافر اور منافق) کے بعد،

اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی عبادت کی دعوت، دعوت عام ہے جو بنی نوع انسان کو دی جا رہی ہے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جب تمہارا اور کائنات کا خالق اور مالک اللہ ہے وہ تمہاری تمام ضروریات کا کفیل ہے تو پھر تم اسے چھوڑ کر دوسروں کی کیوں عبادت کرتے ہو؟ دوسروں کو اس کا کیوں شریک جانتے ہو؟ اگر تم عذاب الٰہی سے محفوظ رہنے کے خواہش مند ہو تو صرف اس کا ایک ہی راستہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ایک تسلیم کرو، وہ اپنی صفات و ذات میں تنہا اور یکتا ہے۔ صرف اس کی عبادت لائقِ زیبا ہے، جانتے بوجھتے شرک کا ارتکاب مت کرو، اگر تمھیں سربلندی اور فارغ البالی کی طلب ہے تو اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا اطاعت گذار ثابت کرو اور جو ربّ کی طرف سے وحی کا نزول ہوتا ہے اس کی اتباع اور پیروی کرو۔

قرآن دعوتِ توحید دے رہا ہے عظمتِ قرآن کے بارے میں بڑی وضاحت کے ساتھ استدلال بیان کیا جا رہا ہے۔ اگر تمہیں اس بات کا کچھ شبہ ہے کہ یہ قرآن، کلام اللہ نہیں، بلکہ کسی انسان کا کلام ہے تو تم اپنے تمام حمائتیوں کو مدد کے طور پر لے آؤ اور قرآنی سورۃ کے مانند ایک سورۃ تو پیش کرو اور تم ہرگز ایسا نہیں کر سکتے تو تمہیں جان لینا چاہیے بلکہ سمجھ جانا چاہیے کہ واقعی یہ کلام کسی انسان کی کوشش کا نتیجہ نہیں یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ تو اب تمہیں اللہ تعالیٰ پر، اور رسالت مآب ﷺ پر ایمان لا کر جہنم کی آگ سے نجات پانے کی کوشش کرنی چاہیے جو کافروں کے لئے ہی تیار کی گئی ہے۔

یہ قرآن مجید فرقانِ حمید کے صداقت کی ایک اور روشن دلیل ہے کہ عرب و عجم کے تمام کافروں کو بطور چیلنج کہا جا رہا ہے کہ تم قرآن جیسی ایک آیت بھی پیش کرنے سے قاصر رہے اور یقیناً قیامت تک قاصر ہی رہو گے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کے اس دعویٰ کا کسی نے جواب نہیں دیا، اس یقین اور بیّن ثبوت کے بعد اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان لانے کے بجائے شرک اور بت پرستی کو کیوں شعار بنائے ہوئے ہو۔ قرآن کے اس واضح استدلال کے بعد بھی تم راہِ راست پر نہ آئے تو ذرا کان کھول کر سن لو! تمہارے لئے عذابِ جہنّم تیار ہے۔ یہ وہ آگ ہے جو کافروں کے لئے خاص طور سے تیار کی گئی ہے۔ کافر اس میں جلتے رہیں گے مفسرین نے تحریر کیا ہے۔ پتھر سے مراد گندھک کے پتھر ہیں یہ قول ابن عباس ؓ کا ہے اور بعض کی رائے یہ ہے کہ ''پتھر'' کے وہ صنم (بت) ہیں جن کی لوگ دنیا میں پرستش کرتے رہے یہ بھی جہنّم کا ایندھن ہوں گے۔ اس کی وضاحت آیت نمبر ۹۸ سورۃ الانبیاء پارہ نمبر ۱۷ اِقْتَرَبَ

اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ۔

تم اور اللہ تعالیٰ کے سوا اور جن کی تم عبادت کرتے ہو سب دوزخ کا ایندھن ہوں گے تم سب جہنّم میں جانے والے ہو (آیت نمبر ۹۸)

یہ آیت لاتؔ مناتؔ وعزّیٰ اور ہبل کی پرستش کرنے والوں کی نشان دہی کر رہی ہے خصوصاً مکہ شریف کے مشرکین کے بارے میں اتری ہے ان بتوں کے پجاریوں کے ہمراہ دوزخ میں صرف مشرکوں کو مزید ذلّت اور رُسوائی کے لئے ڈالا جائے گا کہ جن ناخداؤں کو تم نے معبود جان کر اپنا سہارا سمجھتے تھے وہ بھی تمہارے ساتھ ہی دوزخ میں جہنم کا ایندھن ہیں۔

ایمان دار اور نیک عمل سرانجام دینے والوں کے لئے نوید مسرت ہے کہ ان کے لئے جنّت ہے جس کے تحت نہریں ہوں گی۔ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یعنی عملِ صالح سے مراد وہ اعمال نیک اور مستقیم ہیں جن کا ثبوت عقلی دلائل کتاب وسنّت سے ہو۔ یہ قرآن المجید اور فرقانِ حمید کے صداقت کی ایک روشن دلیل ہے کہ عرب و عجم کے تمام منکر اللہ کی ذات وصفات پر یقین نہ لانے والے کافروں کو چیلنج دیا گیا لیکن وہ آج تک اس کا جواب دینے سے یکسر خاموش ہیں اور یقیناً قیامت تک وہ جواب دینے سے قاصر رہیں گے۔

مشہور صحابی حضرت معاذ بن جبل ؓ کا قول ہے کہ حسبِ ذیل چار امور، عملِ صالح کی اساس ہیں۔

(۱) علم (۲) نیّت (۳) صَبر (۴) اخْلاص

قرآن مجید میں ہر مقام پر ایمان کے ساتھ عملِ صالح کا ذکر مذکور ہے اس سے یہ بات عیاں ہوئی کہ ایمان اور عمل صالح لازم وملزوم ہیں گویا عمل صالح کے بغیر ایمان ثمر آور نہیں ہوتا اور ایمان کے بغیر نیک اعمال کی عنداللہ کوئی اِفادیت اور اہمیت نہیں، جنّت کی نعمتوں کے بارے میں حدیث میں آیا ہے۔

مَالَاعَیْنٌ وَرَأَتْ وَلَااُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَاخَطَرَعَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ۔

نہ کسی آنکھ نے انہیں دیکھا ہے، نہ کسی کان نے ان کے بارے میں سنا ہے اور نہ کسی بشر کے دل میں اس کا خیال ہے۔
(بحوالہ صحیح بخاری شریف تفسیر الم السجدہ)

جنّت، اس کے باغات اور اس کی نہریں کیسی ہیں؟ کسی کو خبر نہیں البتہ دنیا کے باغات اور نہروں سے صرف نام کی حدتک مماثلت ہے۔ بہرنوع اہلِ ایمان اور اہلِ عملِ صالح سرانجام دینے والوں کو بشارت ہی بشارت ہے خوشخبری ہی خوشخبری ہے۔ کافروں کے لیے دوزخ کی آگ تیار ہے اور مؤمن اور مؤمنات کے لئے جنّت تیار ہے۔ جنّت ایک پُرکیف لطیف اور دلِ کش ودل فریب باغات کی جگہ ہے ہر طرف نہریں ہی نہریں ہیں جنّت سکون کی جگہ اور کیف آور لذّت کا مقام ہے یعنی جنّت کی سر سبز وشاداب فضا، اس میں سکونِ قلب اور مسرت کا منظر ہوگا۔ جہنّم میں چاروں طرف آگ ہی آگ ہے۔ قُرآن نے جہنّم کا نام "ھاویہ" بتایا ہے۔

حدیثِ مبارکہ میں ہے کہ انسان دنیا میں جو آگ جلاتا ہے یہ جہنّم کی آگ کا ستّرواں حصّہ ہے۔ جہنّم کی آگ، دنیا کی آگ سے ۶۹ درجہ زیادہ ہے۔ (بحوالہ صحیح بخاری شریف، کتاب بدءِ الخلق، باب صفۃ النار و أنھار مخلوقۃ مسلم شریف، کتاب الجنۃ، باب فی شدۃ حزمار جھنم۔) آیت نمبر ۲۵ کے آخر میں بیان کیا جارہا ہے۔

وَلَھُمْ فِیْھَآ اَزْوَاجٌ مُّطَھَّرَۃٌ وَّھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ۔

وہاں اُن کے لئے سب سے بڑی نعمت پاکیزہ بیویاں ہوں گی اور وہ ہمیشہ وہیں رہیں گے۔

بتایا جارہا ہے کہ ان کی پاکیزگی، ظاہری اور باطنی ہر دو طرح کی ہوگی۔ گویا جسمانی لحاظ سے صاف ستھرے ہوں گے اور اخلاقی لحاظ سے بُرائیوں سے مبّرا و پاک۔ یہ بھی ذہن میں رہے کہ دنیا میں اگر مرد نیک تھا لیکن اس کی بیوی بُری (بد) تھی۔ تو جنّت میں مرد کو دوسری عورت ملے گی۔ اگر دنیا میں کوئی عورت نیک تھی۔ اور اس کا خاوند بد تھا تو جنّت میں اس عورت کو دوسرا صالح، نیک مرد ملے گا۔ اگر اس دنیا میں دونوں نیک تھے تو وہاں یہ دونوں رشتۂ زوجیت منسلک رکھ سکیں گے۔ اہلِ جنّت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جنّت میں رہیں گے۔ اور خوش رہیں گے۔ اور اہل جہنم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنّم میں رہیں گے اور مبتلائے عذاب ہوں گے۔

حدیث میں آیا ہے کہ جنّت اور جہنّم میں جانے کے بعد ایک فرشتہ ندا دے گا۔

اے اہلِ جہنّم! اب موت نہیں ہے۔ اور اے اہلِ جنّت! اب موت نہیں ہے، جو فریق جس حالت میں ہے اسی حالت میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔ (بحوالہ صحیح بخاری شریف، کتاب الرقاق باب یدخل الجنۃ سبعون الفا، صحیح مسلم شریف، "کتاب الجنۃ")

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيِ أَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَيَقُولُونَ مَاذَا أَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَّيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا ۚ وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفٰسِقِينَ ﴿٢٦﴾	بے شک اللہ نہیں شرماتا کسی مثال کے بیان کرنے سے خواہ مچھر کی ہو یا اس چیز کی' جو اس سے بڑھ کر ہے سو جو لوگ اہلِ ایمان ہیں وہ یقیناً جانتے ہیں یہ مثال ٹھیک ہے جو اُن کے رَبّ کی طرف سے اتری ہے کفار کہتے ہیں اس مثال سے اللہ نے کیا مطلب لیا ہے اس مثال سے اللہ بُہتوں کو گمُراہ کرتا ہے اور ہدایت عطا کرتا ہے بُہتُوں کو اور گمُراہ تو صرف فَاسِقوں کو ہی کرتا ہے۔ (۲۶)
الَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ ۖ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللّٰهُ بِهِ أَنْ يُّوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ ۚ أُولٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ ﴿٢٧﴾	جو توڑتے ہیں' اللہ کے عہد کو مضبوط کرنے کے بعد، اور اللہ نے جس چیز کو جوڑنے کا حکم دیا اس کو قطع کرتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں (۲۷)

الفاظ ومعانی آیت ۲۶/تا ۲۶

﴿ لَا يَسْتَحْيِ ﴾ وہ نہیں شرماتا، وہ پرواہ نہیں کرتا۔ ﴿ يَضْرِبَ ﴾ ضرب' وہ بیان کرتا ہے' وہ بیان کرے ﴿ يَعْلَمُونَ ﴾ يَعْلَم، وہ علم رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں ﴿ يَقُولُونَ ﴾ وہ کہتے ہیں ﴿ أَرَادَ ﴾ اس نے ارادہ کیا ﴿ يُضِلُّ ﴾ اَضَلَّ ،يُضِلُّ ،وہ گمراہ کرتا ہے ﴿ بَعُوضَةً ﴾ مچھر ﴿ مَا ﴾ کوئی بھی شے رچیز ﴿ فَوْقَ ﴾ اوپر ﴿ فَوْقَهَا ﴾ جو مچھر سے اوپر ہو، یعنی پر یا بازو وغیرہ مراد لی جاتی ہے اس مچھر سے بھی حقیر تر چیز ﴿ مَثَلًا ﴾ مثال، تمثیل۔ ﴿ الْفٰسِقِينَ ﴾ اس کا واحد فاسق ہے ،نافرمان، شریعت کے خلاف کام کرنے والا۔ فسق کے تین درجے ہیں (۱) جن باتوں پر ایمان لانا واجب ہے اس سے انکار کرنا، (۲) گناہ کبیرہ میں ملوث اور منہمک رہنا۔ (۳) گناہ کبیرہ کا سَرزد ہونا اور گناہِ صغیرہ پر اصرار کرنا۔ یہ بات یقینی ہے کہ اگر فاسق اپنے فسق وفجور سے باز نہ آئے تو اس کا گمُراہ رہنا یقینی ہے فاسق کی حسب ذیل علامات رکیفیات ہیں۔

1. ......احکامِ باری تعالیٰ کے پابند نہیں ہوتے۔
2. ......اللہ سے اقرار کئے ہوئے وعدوں کے بعد مُنحرف ہو جاتے ہیں۔
3. ......رشتہ داروں سے قطعِ رحمی کرتے ہیں۔
4. ......ملک میں فساد اور بُرائیاں پھیلاتے ہیں۔

نیز حقوق العباد کی ادائیگی پر عمل نہیں کرتے اور نہ ہی عزیز واقارب کے حقوق ادا کرتے ہیں اور نہ ہی پڑوسی کے حقوق کا انہیں کچھ خیال ہے۔

﴿ أَمَّا ﴾ لیکن، اگر، وہ جو، یہ حرف تردید، شرط اور تفصیل مجمل کے لئے مُستعمل ہے۔ ﴿ يَهْدِي ﴾ وہ ہدایت دیتا ہے۔ ﴿ يَنْقُضُونَ ﴾ قطع، يقطع، وہ کاٹتے ہیں ﴿ يُوصَلَ ﴾ اَوصَلَ، جوڑا جائے۔ ﴿ عَهْدَ اللّٰهِ ﴾ اللہ کا عہد، قواعد کے لحاظ سے مرکب اضافی ہے۔ ﴿ مِيثَاقِهِ ﴾ [illegible] ﴿ يُفْسِدُونَ ﴾ وہ فساد کرتے ہیں

﴿ اَلْخٰسِرُوْنَ ﴾ نقصان اٹھانے والے، قواعد کے لحاظ سے اسم فاعل ہے۔ ﴿ كَيْفَ ﴾ کیسے، کیسا، کس طرح۔

عَهْدٌ کے مفہوم کو مُفسّرین نے مختلف انداز میں بیان کیا ہے ایک تو اللہ کی وہ وصیت جو اس نے اپنے اوامر بجالانے اور نہی عن المنکر سے باز رکھنے کے لئے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ بنی نوع انسان کو بتائی، دوسرے یہ کہ وہ عہد جو اہل کتاب کو تورات (جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی) بتایا گیا کہ نبی خَتمِ المرتبت حضرت محمد ﷺ کے آجانے کے بعد تمہارے لئے ان کی تصدیق کرنا اور ان کی نبوّت پر ایمان لانا ضروری ہوگا گویا یہ عَهْد اَلَسْت ہے جو حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بعد ان کی پشت سے پیدا ہونے والی تمام اولاد سے لیا گیا چنانچہ اس کا ذکر سورۃ الاعراف آیت ۱۷۲/ پارہ ۹ قَالَ الْمَلَاءُ میں آیا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰي ۚ شَهِدْنَا ۚ

''اور جب آپ کے رب نے آدم علیہ السلام کی پیٹھ سے اُن کی اولاد کو نکالا اور اُن سے اُن ہی کے بارے میں اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا ربّ نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا کیوں نہیں! ہم سب گواہ بنتے ہیں'' سورۃ اعراف آیت ۱۷۲

تشریح وتوضیحات آیت ۲۶/۲۷

اِن آیاتِ مبارکہ میں اظہار بیان ہے کہ جب اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے دلائل اور استدلال سے قرآن کا مُعْجِزہ ہونا ثابت کردیا تو کفار نے دوسرے طریقہ، معروضہ پیش کیا کہ اگر یہ کلامِ اللہ ہوتا تو، اس ذات عظیم کے نازل کئے ہوئے کلام میں چھوٹی چھوٹی چیزوں کی مثالیں نہ ہوتیں۔ جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بات کی توضیح اور حکمت کے پیش نظر کسی چیز کو سمجھانے کے لئے حقیر سے حقیر اور معمولی سے معمولی چیز (یعنی مچھر) کی مثال دینے میں حرج بھی نہیں۔ اہلِ ایمان کا شیوہ تو یہ ہے کہ وہ فوراً تسلیم کرلیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو بات کہی ہے وہ درست ہے۔

اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ مثالوں سے ایمان والوں کے ایمان میں اضافہ اور کُفار کے کُفر میں اضافہ ہوتا ہے اور یہ سب اللہ تعالیٰ کے قانونِ قدرت، اور مشیّت کے مطابق ہوتا ہے۔ اس کی وضاحت سورۃ النساء آیت نمبر ۱۱۵ پارہ نمبر ۵ وَالْمُحْصَنٰتُ.

نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ

''ہم اُسے اُدھر ہی متوجّہ کردیں گے جدھر وہ خود متوجّہ ہو۔'' آیت نمبر ۱۱۵ سورۃ النساء

جب لوگ حد سے زیادہ گمراہی میں مبتلا رہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں گمراہ قرار دیتا ہے درحقیقت فاسق ہی گمراہ ہوتے ہیں فسق اطاعتِ الٰہی سے خروج کو کہا جاتا ہے۔ اس آیت میں فسق کا مطلب اطاعت سے کُلّی طور پر انکار یعنی کُفر ہے۔

اِن آیاتِ مبارکہ میں فاسق لوگوں کا حال بیان کیا جارہا ہے کہ ایک تو وہ اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے وعدوں کو توڑ دیتے ہیں۔ اور احکامِ باری تعالیٰ کی پابندی نہیں کرتے۔ مثال کے طور پر توحید پر قائم نہیں رہتے اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اطاعت کا حق ادا نہیں کرتے ہماری اس گفتگو کا ماحصل یہ ہوا کہ فَاسِقْ کی ایک خَاصیت یہ بھی ہے کہ وہ زمین پر بُرائیاں پھیلانے کے مُتلاشی رہتے ہیں اور ظلم، فِسق وفجور کو وہ عام کرتے ہیں اس حقیقت سے بھلا کیا انکار کے حقوق اللہ، اور حقوق العباد ترک کرنے کا لازمی (باقی اگلے صفحہ پر)

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۸﴾

تم اللہ کے ساتھ کیسے کفر کرتے ہو؟ حالانکہ تم (مُردہ) بے جان تھے اُس نے تمہیں زندگی بخشی، پھر تمہیں مار ڈالے گا، پھر تمہیں زندہ کرے گا پھر اسی کی طرف لوٹا دیئے جاؤ گے۔(۲۸)

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۹﴾

وہی ہے جس نے تمہارے واسطے پیدا کیا جو کچھ زمین میں ہے پھر آسمان کی طرف قصد کیا اور ان کو ٹھیک ٹھاک سات آسمان بنا دیا، اور اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔(۲۹)

(بقیہ گذشتہ صفحہ سے آگے) یہ انجام ہوگا کہ کائنات میں ہر طرح کی بُرائیاں پھیل جائیں گی۔حق اور انصاف کا قدرے خاتمہ ہوگا گویا دنیا ایک جہنّم بن کر رہ جائے گی۔ یہ کہنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایسے لوگ اس دنیا میں ذِلّت ورُسوائی اور بدنامی کا مُوجب ہوتے ہیں۔اور اپنی آخرت کو بگاڑ لیتے ہیں۔ان پر خَسِرَ الدُّنیا وَالا خِرَۃ کی مثال صادق ہوتی ہے۔

یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں' بات صاف واضح ہے نقصان (خسارہ) اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے والوں کا ہی ہوگا۔ اللہ اِس کے پیغمبروں اور داعی الی الحق کا کچھ نہ بگڑے گا۔

الفاظ ومعانی آیت نمبر ۲۸ تا ۲۹

﴿كَيْفَ﴾ کیسے، کس طرح ﴿اَحْيٰ﴾ اس نے زندہ کیا۔﴿يُمِيْتُ﴾ اَمَاتَ، وہ مردہ کرے گا۔﴿تُرْجَعُوْنَ﴾ رَجَعَ، يَرْجِعُ رجوع کرنا، تم لوٹا دیئے جاؤ گے، تم پلٹا دیئے جاؤ گے۔﴿خَلَقَ﴾ اس نے پیدا کیا ﴿فِي الْاَرْضِ﴾ زمین میں ﴿جَمِيْعًا﴾ سب، تمام ﴿اِسْتَوٰى﴾ اس نے قصد کیا ﴿ثُمَّ اسْتَوٰى﴾ اور پھر متوجہ ہوا ﴿اِسْتَوٰى اِلَى السَّمَآءِ﴾ یعنی زمین سے اوپر کی طرف اس کے بعد متوجہ ہوا، بعض اَسلافِ اُمّت نے اس کا ترجمہ ''پھر آسمان کی طرف چڑھ گیا'' بتایا ہے (بحوالہ صحیح بخاری شریف) **استوٰی علی العرش** اللہ جل شانہٗ کی صفات میں ہے، انسانوں کی صفات میں اس کا قیاس نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ مخلوق کے خواص سے قطعی مبرا اور پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ کا آسمانوں کے اوپر، عرش پر چڑھنا اور خاص خاص موقع پر آسمان دنیا پر نزول باری تعالیٰ کی صفات میں سے ہے جس پر اسی طرح ایمان رکھنا لازمی ہے جس طرح قرآن اور احادیث میں بیان کی گئی ہیں۔﴿سَوّٰى﴾ اس نے ٹھیک درست کیا۔﴿هُنَّ﴾ ان کو۔﴿سَبْعَ﴾ سات ﴿سَمٰوٰتٍ﴾ آسمان۔﴿كُلِّ﴾ ہر ﴿شَيْءٍ﴾ چیز ﴿عَلِيْمٌ﴾ خوب علم رکھنے والا سب کچھ جاننے والا۔

تشریح وتوضیحات آیت نمبر ۲۸/۲۹

اِن آیاتِ مبارکہ میں اظہارِ بیان یہ ہے۔ کہ استفہامی انداز میں اللہ تعالیٰ کے احسانات کو یاد کرو۔ کہ وجود باری تعالیٰ کا انکار تم کس طرح کرتے ہو۔ جب کہ اس نے تمہیں زندگی عطا کی۔ عدم یعنی نیست (یعنی نہ ہونے سے) وجود میں لایا نہ صرف یہ بلکہ پھر تمہیں موت دے گا۔ پھر دوبارہ زندہ کرے گا۔ پھر تم اس کی جانب واپس جاؤ گے جہاں تمہارے اعمال، افعال اور معاملات کا حساب وکتاب ہوگا اور تمہیں سزا یا جزا ملے گی۔ آیت نمبر ۲۸ میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا صلہ اور انسان کی زندگی کی حقیقت بیان کی

جارہی ہے۔آیت میں دوموت اوردوزندگانی کاذکر ہے۔پہلی زندگی کاعرصہ ماں کے پیٹ سے نکل کرموت سے ہم آہنگ ہونے تک کا ہے پھرموت آجائے گی۔کون نہیں جانتا! پھرآخرت کی زندگی دوسری زندگی ہوگی جس کاانکار کُفاراور مُنکرِین قیامت کرتے ہیں۔شوکانی نے بعض علماء کی رائے کااظہار کیا ہے کہ"قبر کی زندگی دینوی زندگی میں ہی شامل ہوگی"۔(بحوالہ فتح الباری۔)

حقیقتِ احوال تو یہ ہے کہ برزخ کی زندگی حیاتِ آخرت کی اساس اوراس کا پیش خیمہ ہے۔اس سے اس کاتعلق آخرت کی زندگی سے ہے واضح طور پر آیت ۲۹ میں بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ نے نہ صرف تمہیں پیدا کیا بلکہ زمین میں ہر شے پیدا کی تاکہ بنی نوعِ انسان کی تمام ضروریات کی تکمیل ہوسکے۔اب یہ تمہارا کام ہے کہ اس سے صحیح راہِ عمل کے ساتھ استفادہ کرو۔ انسان کازمین میں اشرف المخلوقات ہونا۔دوسری چیزوں کااُس لئے پیدا کرنا کہ انسان انہیں اپنے کام میں لائے۔

اِسۡتَوٰی اِلَی السَّمَاۗءِ سے یعنی زمین سے اوپر کی طرف مُتوجّہ ہوا۔اور پھر متعدد آسمانوں کو اپنی حکمت کے مطابق بنایا۔زمین سے اوپر جوحصّہ ہے وہ سماء ہے،ہم سب جانتے ہیں زمین میں ایتھر بھی ہے اور نظام شمسی بھی ہے۔جس میں زمین کے علاوہ سات بڑے سیارے بھی ہیں۔اس سے پتہ چلا کہ سماء ایک حسی وجوداور حقیقت ہے اور محض بلندی کوسماء سے نہیں بتایا گیا یہ بات واضح ہوئی کہ ان کی تعداد سات ہے۔اور حدیثِ مبارکہ کی روشنی میں دوآسمانوں کے درمیان ۵۰۰ سوسال کی مسافت ہے اور زمین کے بارے میں سورۃ الطلاق آیت نمبر۱۲ پارہ نمبر۲۸ قَدۡ سَمِعَ اللّٰهُ . میں ارشادِ ربّانی ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِیۡ خَلَقَ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الۡاَرۡضِ مِثۡلَهُنَّ ؕ یَتَنَزَّلُ الۡاَمۡرُ بَیۡنَهُنَّ لِتَعۡلَمُوۡۤا ۔

اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے سات آسمان بنائے اوراس کے مثل زمین میں بھی اُس کاحکم ان کے درمیان اترتا ہے۔(آیت نمبر۱۲سورۃ الطلاق)

اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کی طرح سات زمینیں بھی عطافرمائی ہیں اور ہرزمین میں اللہ کی پیدا کردہ مخلوق آباد ہے،(بحوالہ القرطبی) اُس بات کی حمایت کایقین حدیث مبارکہ سے بھی ہوتا ہے۔آقائے نامدار ﷺ کاارشاد ہے۔

"مَنۡ اَخَذَ شِبۡرًا مِنَ الۡاَرۡضِ ظُلۡمًا فَاِنَّهٗ یُطَوَّقُهٗ یَوۡمَ الۡقِیَامَةِ مِنۡ سَبۡعِ اَرۡضِیۡنَ۔

''بحوالہ مسلم شریف، کتاب البیوع باب تحریم الظلم'' اور بحوالہ صحیح بخاری ''بدءِ الخلق، ماجاء فی سبع أرضین''

جس کسی نے ظلماً ایک بالشت زمین بھی ہتھیالی تو قیامت کے روزاس دنیا کااتنا ہی حصہ ساتوں زمین سے طوق بنا کراس کے گلے میں ڈال دیاجائے گا۔

اس کوساتوں زمین تک دھنسادیا جائیگا، صحیح بخاری شریف میں اس کااظہاران الفاظ میں ہوا ہے۔خُسِفَ بِهٖ سَبۡعَ اَرۡضِیۡنَ.

حدیث مبارکہ کے الفاظ ساتوں زمین کے طوق اس کے گلے میں پہنائے جاہیں گے۔اور ساتوں زمین تک اس کو دھنسادیاجائے گا۔

آیت نمبر۲۹ فَسَوّٰهُنَّ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ ؕ سے اس بات کاعلم ہوتا ہے کہ آسمان سے قبل زمین کی تخلیق ہوئی۔قرآن کے تیسویں پارہ سورۂ نازعات آیت نمبر۳۰ میں ارشاد ہوا ہے۔(بقیہ اگلے صفحہ پر)

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ۖ قَالُوٓا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۖ قَالَ إِنِّيٓ أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۳۰﴾

اور جب تیرے رَبّ نے فرشتوں سے کہا، کہ میں زمین پر اپنا نائب بنانے والا ہوں تو انہوں نے کہا کہ کیا تو ایسے شخص کو خلیفہ بنانا چاہتا ہے جو زمین میں فساد کرے اور کشت وخون کرے، ہم تیری تعریف تسبیح اور پاکیزگی بیان کرتے ہیں، اللہ نے فرمایا کہ میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ (۳۰)

وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ أَنْبِـُٔونِي بِأَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِينَ ﴿۳۱﴾

اور سکھلا دیئے اللہ نے آدم علیہ السلام کو تمام نام چیزوں کے، پھر اُن کو فرشتوں کے سامنے کیا اور کہا کہ آگاہ کرو مجھے اُن کے ناموں سے، اگر تم سچّے ہو۔ (۳۱)

قَالُوا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۖ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ﴿۳۲﴾

ان سب نے کہا اے اللہ! تیری ذات پاک ہے ہمیں تو اتنا علم ہے جتنا علم تو نے ہمیں عطا کیا یعنی (جو سکھایا ہے تو نے ہمیں) بے شک تو ہی اصل جاننے والا اور باحکمت ہے۔ (۳۲)

قَالَ يٰٓـاٰدَمُ أَنْبِئْهُمْ بِأَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّآ أَنْبَأَهُمْ بِأَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ إِنِّيٓ أَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۙ وَأَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ ﴿۳۳﴾

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا کہ تم ان کے نام بتا دو، جب انہوں نے بتا دیئے تو کہا فرشتوں سے! کیا میں نے تم سے نہ کہا تھا کہ میں زمین و آسمانوں میں سب پوشیدہ باتیں جانتا ہوں اور میرے علم میں ہے کہ جو تم ظاہر کر رہے ہو اور جو تم چھپاتے ہو۔ (۳۳)

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوٓا إِلَّآ إِبْلِيسَ ۖ أَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ۫ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِينَ ﴿۳۴﴾

اور جب ہم نے حکم دیا فرشتوں کو کہ آدمؑ کو سجدہ کرو تو سب سجدے میں گر پڑے سوائے ابلیس کے، اس نے انکار کیا اور کفر و تکبّر کیا اور وہ کافروں میں ہو گیا۔ (۳۴)

(بقیہ گزشتہ صفحہ)

وَالْأَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ۳۰

اور اس کے بعد زمین کو ہموار بچھا دیا۔

لفظ دَحٰی کے معنیٰ ہموار کرنا ہے یا پھیلانے کے ہیں۔ خَلَقَ، پیدائش اور چیز ہے اور دَحٰی ہموار کرنا اور بات ہے۔ گویا، بتایا جا رہا ہے کہ زمین کی تخلیق آسمان سے قبل ہوئی ہے لیکن، ہموار آسمان کی تخلیق کے بعد کیا گیا۔ یہاں اس حقیقت کا بھی بَرملا اظہار ہے کہ زمین کو قابل رہائش بنانے کے لئے جس چیز کی ضرورت درکار ہے اللہ تعالیٰ نے اُن کا اہتمام اور اِنصرام کیا۔ مثال کے طور پر زمین میں سے خوراک اور چارہ پیدا کیا۔ اور اس پر پہاڑوں کو مضبوط انداز میں گاڑ دیا تا کہ زمین نہ ہلے ''زمین کو اس کے بعد بچھایا'' کا مطلب یہ ہے کہ تخلیق پہلے زمین ہی کی ہوتی ہے۔ اور دَحْوٌ صاف اور ہموار کر کے پھیلانا یا بچھانا تخلیق سے مختلف چیز ہے جو آسمان کی تخلیق کے بعد عمل میں آئی۔ بحوالہ فتح القدیر۔

اللہ تعالیٰ ہر شے کی مصلحت سے واقف ہے۔ جب انسان کو اس بات کا اِیقان ہوجائے کہ اللہ تعالیٰ صاحبِ قدرت ہے اس لئے وہ سمجھتا ہے اللہ تعالیٰ ہر چیز سے باخبر ہے۔

الفاظ ومعانی آیت نمبر ۳۰ / ۳۴

﴿ قَالَ ﴾ اس نے کہا ﴿ یَقُوْلُ ﴾ قواعد کی رو سے ماضی واحد مذکر غائب ہے۔ ﴿ اِذْ ﴾ جس وقت جب ﴿ اَلْمَلٰٓئِکَةُ ﴾ اس کا واحد مَلَکٌ، فرشتے، اللہ کی نوری مخلوق ہیں۔ جن کا قیام یا مقام آسمان پر ہے جو اوامر الٰہی کے پورا کرنے کی تکمیل میں اور اس کی تعریف، تقدیس اور تسبیح میں مصروف رہتے ہیں اور اللہ کے کسی حکم سے سرتابی نہیں کرتے۔ ﴿ جَاعِلٌ ﴾ بنانے والا اِسم فاعل۔ ﴿ خَلِیْفَةً ﴾ سے مراد ایسی قوم ہے جو ایک دوسرے کے بعد آئے گی، نائب، نمائندہ۔ ﴿ تَجْعَلُ ﴾ جَعَلَ، یَجْعَلُ۔ تو بنائے گا ﴿ یُفْسِدُ ﴾ فساد برپا کرے گا۔ ﴿ یَسْفِكُ ﴾ سفک، وہ بہائے گا۔ ﴿ الدِّمَآءَ ﴾ اس کا واحد دَمٌ، خون/ر ﴿ وَنَحْنُ ﴾ اور ہم ﴿ نُسَبِّحُ ﴾ ہم تسبیح کرتے ہیں ﴿ بِحَمْدِكَ ﴾ توصیف کے ساتھ۔ ﴿ نُقَدِّسُ ﴾ قَدَّسَ، یُقَدِّسُ ہم پاکی بیان کرتے ہیں۔ ﴿ وَعَلَّمَ ﴾ اور سکھایا ﴿ اَنْۢبِئُوْ ﴾ بتاؤ۔ ﴿ كُلَّهَا ﴾ کُلَّ ھَا تمام/سب کے سب ﴿ الْاَسْمَآءَ ﴾ نام۔ ﴿ هٰٓؤُلَآءِ ﴾ اِن اشیاء کے۔ ﴿ قَالُوْا ﴾ کہا انھوں نے۔ ﴿ عَلَّمْتَنَا ﴾ تونے سکھایا۔ ﴿ اَلَمْ اَقُلْ ﴾ کیا نہ کہا تھا میں نے۔ ﴿ سُبْحٰنَ ﴾ پاک ہے ﴿ عِلْمَ ﴾ جاننا۔ قواعد کے لحاظ سے مصدر ہے ﴿ الْحَكِیْمُ ﴾ حکمت والا، اللہ تعالیٰ کا صفاتی اسم ہے۔ ﴿ اِنِّیْٓ ﴾ بے شک ﴿ اِلَّا ﴾ سوائے/مگر ﴿ لَمَّآ ﴾ جب ﴿ لَا ﴾ نہیں ﴿ تُبْدُوْنَ ﴾ اَبْدٰی، یُبْدِی، تم ظاہر کرتے ہو۔ ﴿ تَكْتُمُوْنَ ﴾ کَتَمَ، یَکْتُمُو، تم چھپاتے ہو/ پوشیدہ رکھتے ہو۔ ﴿ اسْجُدُوْا ﴾ سَجَدَ، یَسْجُدُ تم سجدہ کرو۔ ﴿ اَبٰی ﴾ اس نے انکار کیا۔ ﴿ اسْتَكْبَرَ ﴾ اس نے غُرور کیا۔

سجدہ کے معنی ہیں خضوع اور تذلل عجز وانکساری کے ساتھ ''زمین پر پیشانی کا لگادینا'' بحوالہ قرطبی۔ یہ سجدہ شریعت اسلامیہ میں اللہ کے سوا کسی کو جائز نہیں۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے ''اگر سجدہ کسی اور کے لئے جائز ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ شوہر کو سجدہ کرے (بحوالہ سُنن ترمذی شریف)

تشریح وتوضیحات آیت نمبر ۳۰ تا نمبر ۳۴

آیتِ مبارکہ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ انسان کی تخلیق سے قبل اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کے سامنے ایک تجویز کی خبر ظاہر کرتے ہوئے فرمایا کہ میں زمین پر اپنا ایک خلیفہ/نمائندہ بنانے والا ہوں' بات یہ ہے کہ اس بات کا امکان تھا کہ ملائکہ اور انسان میں خاص ربط اور تعلق ہونے والا ہے ملائکہ کا کام یہ ہوگا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا پیام انسان تک پہنچائیں گے۔ انسان کے اعمال کا عمل درج کریں گے نیز اچھے اور بُرے وقت میں انسان کے ساتھ تعاون کریں گے۔ لیکن ملائکہ کا یہ کہنا کہ ایسی مخلوق' زمین میں پیدا کی جائے گی جو فساد، فتنہ مچائے گی اور کُشت وخون کرے گی۔ فرشتوں کا یہ اظہارِ بیان حسد یا اعتراض کے طور پر نہ تھا بلکہ اظہار حیرت تھا۔ کہ اے رَبّ اس مخلوق کے پیدا کرنے میں کیا حکمت پوشیدہ ہے اگر مقصود یہ ہے کہ تیری عبادت ہو تو اس کام (بقیہ اگلے صفحہ پر)

وَقُلۡنَا یٰۤاٰدَمُ اسۡکُنۡ اَنۡتَ وَزَوۡجُکَ الۡجَنَّۃَ وَکُلَا مِنۡہَا رَغَدًا حَیۡثُ شِئۡتُمَا ۪ وَلَا تَقۡرَبَا ہٰذِہِ الشَّجَرَۃَ فَتَکُوۡنَا مِنَ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۳۵﴾	اور ہم نے کہہ دیا اے آدمؑ تم اور تمہاری بیوی بہشت میں رہو، اور جہاں سے چاہو خوب سیر ہو کر کھاؤ پیئو۔ لیکن اس درخت کے قریب بھی نہ آنا ورنہ ظالم (خطا کار) ہو جاؤ گے۔ (۳۵)
فَاَزَلَّہُمَا الشَّیۡطٰنُ عَنۡہَا فَاَخۡرَجَہُمَا مِمَّا کَانَا فِیۡہِ ۪ وَقُلۡنَا اہۡبِطُوۡا بَعۡضُکُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَکُمۡ فِی الۡاَرۡضِ مُسۡتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰی حِیۡنٍ ﴿۳۶﴾	لیکن شیطان نے ان دونوں کو بہکا کر وہاں سے نکلوا ہی دیا۔ تب ہم نے حکم دیا اتر جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمہارے لئے زمین میں ایک وقت مقررہ تک فائدہ اٹھانا اور ٹھہرنا ہے۔ (۳۶)
فَتَلَقّٰۤی اٰدَمُ مِنۡ رَّبِّہٖ کَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَیۡہِ ؕ اِنَّہٗ ہُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیۡمُ ﴿۳۷﴾	پھر آدمؑ نے چند باتیں سیکھ لیں اپنے ربّ سے پھر متوجّہ ہو گیا اللہ اس پر اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ بے شک وہی توبہ قبول کرنے والا ہے اور رحم کرنے والا ہے (۳۷)
قُلۡنَا اہۡبِطُوۡا مِنۡہَا جَمِیۡعًا ۚ فَاِمَّا یَاۡتِیَنَّکُمۡ مِّنِّیۡ ہُدًی فَمَنۡ تَبِعَ ہُدَایَ فَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَلَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ﴿۳۸﴾	ہم نے کہا تم سب یہاں اتر (چلے) جاؤ جب میری طرف سے تمہارے پاس ہدایت پہنچے تو اس کی پیروی اور اتباع کرنے والوں پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ (۳۸)
وَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَکَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَاۤ اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ ہُمۡ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۳۹﴾	اور جو لوگ منکر ہوئے اور جھٹلایا ہماری آیتوں کو وہ جہنمی ہیں اور ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔ (۳۹)

(بقیہ گذشتہ صفحہ سے آگے) کے لئے تو ہم موجود ہیں۔ بقول غالب۔

ع درد دل کے لئے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاقت کے لئے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

لیکن باری تعالیٰ کا ارشاد ہوا۔ میں اس مصلحت کو جانتا ہوں جس کے سبب ان کو پیدا کر رہا ہوں۔ جو تم نہیں جانتے۔ کیونکہ ان میں انبیاء، شہداء، صدیقین، صالحین، اور زاہد بھی ہوں گے۔ (بحوالہ ابن کثیر)

الغرض اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور اولادِ آدم کو تمام چیزوں کے نام، ان کے خواص اور نفع و نقصان سے آگاہ کر دیا۔ جب فرشتوں نے اپنے عجز اور جہل کا اعتراف کر لیا تو آدم علیہ السلام کی عظمت کا احساس دلایا گیا۔ اور حکم ہوا کہ فرشتوں کو اُن چیزوں کے نام اور خواص سے آگاہ کر دو۔ اس بیان سے اندازہ ہوا کہ فرشتوں سے بڑھ کر علم، حکمت اور کمال انسان کو بخشا گیا۔

تخلیق انسان کی عظمت کا مشاہدہ کرانے کے بعد فرشتوں کو حکم صادر ہوا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو۔ اس حکم پر سارے ملائکہ سر بہ سجود ہو گئے لیکن ابلیس نے انکار کیا۔ انکار کی وجہ تکبر اور غرور میں اس کا مبتلا ہونا تھا۔ یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ ملائکہ نوری مخلوق ہے۔ اور شیطان ناری مخلوق ہے۔ ملائکہ اعلیٰ اور ارفع قوتوں کے حامل اور پاک صفات کے مالک ہیں۔ اس کے برخلاف

شیطان ادنیٰ اوپست درجہ کے مذموم صفات کا حامل ہے۔ ابلیس قرآن الحکیم کی صراحت کے مطابق جنات میں سے تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے اعزاز دینے کی خاطر فرشتوں میں شامل کرر کھا تھا۔ اس لئے بحکم ربّی اس کے لئے سجدہ کرنا واجب تھا لیکن حسد، تکبّر، غرور، اور فخر گناہ ہیں جن کا اِرتکاب سب سے پہلے ابلیس نے کیا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے سبب، اور وہ کافروں میں ہوگیا۔

الفاظ و معانی آیت نمبر ۳۵ / تا ۳۹

﴿ وَقُلْنَا ﴾ ہم نے کہا ﴿ اُسْكُنْ ﴾ سَکَنَ، یَسْکُنُ۔ تو مقیم رہ، ﴿ وَكُلَا ﴾ تم دونوں کھاؤ۔ ﴿ شِئْتُمَا ﴾ شَآءَ، یَشَآءُ، دونوں نے چاہا ﴿ رَغَدًا ﴾ قواعد کے لحاظ سے اسم ہے خوب سیر ہو کر۔ ﴿ حَيْثُ ﴾ جہاں کہیں سے، قواعد کے مطابق اسم ظرف مکان ہے ﴿ اَزَلَّ ﴾ یُزِلُّ، خطا، بہکایا ﴿ زَلَّةٌ ﴾ بغیر ارادہ کے جو قصور ہوتا ہے (بلا ارادہ پاؤں کا ڈگمگانا) ﴿ اِهْبِطُوْا ﴾ تم نیچے اتر آؤ (صیغہ جمع ہے) ﴿ هَبَطَ ﴾ یَھْبِطُ، اترنا ﴿ ظَالِمٌ ﴾ اس کی جمع الظلمین، زیادتی کرنے والے، اسم فاعل ہے ﴿ عَنْ ﴾ بوجہ۔ حرف جر ہے۔ ﴿ اِلٰى ﴾ تک ﴿ عَلٰى ﴾ اوپر ﴿ مُسْتَقَرٌّ ﴾ ٹھہرنے کا مقام قرار گاہ۔ ﴿ مَتَاعٌ ﴾ مَتَاعٌ فائدہ اٹھانا۔ ﴿ حِيْنٍ ﴾ مدت، ساعت، گھڑی ﴿ بَعْضٍ ﴾ کوئی شخص / کوئی چیز ﴿ عَدُوٌّ ﴾ دشمن ﴿ التَّوَّابُ ﴾ توبہ قبول کرنے والا ﴿ تَبِعَ ﴾ اس نے پیروی کی ﴿ هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴾ وہ غم زدہ ہوں گے ﴿ حَزِنَ ﴾ یَحْزَنُ، غمگین۔ ﴿ كَذَّبُوْا ﴾ کَذَّبَ، انہوں نے جھٹلایا ﴿ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ اور جو لوگ منکر ہوئے۔ ﴿ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴾ اہل آگ، جہنمی۔ ﴿ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴾ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

تشریح و توضیحات آیت نمبر ۳۵ تا ۳۹

فرشتوں کے سرِ تسلیم خم کرنے اور شیطان کے انکار کے بعد اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے کہا تم اور تمہاری بیوی بہشت میں اطمینان سے رہو۔ اور بافراغت کھاؤ پیو، لیکن اس شجر ممنوعہ کے قریب نہ جاؤ ورنہ ظالم ہو جاؤ گے جنّت کو اپنا ٹھکانا بناؤ۔ جنّت میں عورتوں کے ہونے کا بیان کرنے کا مدعا یہ ہے کہ عورت کا وجود تمام نعمتوں سے بڑی نعمت ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوّا بہشت میں پُر لطف، پُرسکون اور پُر راحت زندگی بسر کر رہے تھے۔ لیکن ابلیس جو انسان کا ازلی دشمن ہے آخر کار آدم علیہ السلام و حضرت حوا کو بھٹکا ہی دیا۔ شیطان کے بہکانے میں آنے کے سبب ایک لغزش ہوئی گو کہ اس لغزش میں حضرت آدم علیہ السلام کی نیت اور قصد کو مطلق دخل نہیں تھا۔ جرم بہر نوع جرم ہی ہوتا ہے ان کی اس خطا کا نتیجہ یہ نکلا کہ دونوں کو بہشت سے نکال کر پستی کی طرف یعنی زمین پر بھیج دیا گیا۔ اور چند یوم زمین پر رہ کر وہاں فائدہ اٹھانا مقدر کر دیا گیا۔ یہ سب اس نادانی اور نافرمانی کا نتیجہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنا چاہیے۔ معاذ اللہ، نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ هٰذَا ۔

حضرت آدم علیہ السلام جب عالمِ پشیمانی میں ڈوبے دُنیا میں تشریف لائے تو توبہ و استغفار میں مُنہمک ہو گئے۔ اس موقع پر ربّ جلیل نے رہنمائی اور دستگیری کی اور وہ کلمات معافی بتا دیئے جو سورۂ اعراف آیت نمبر ۲۳ پارہ نمبر ۸ وَلَوْ اَنَّنَا میں مذکور ہے

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا سکتہ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۔ آیت ۲۳

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿۴۰﴾

اے بنی اسرائیل میری اس نعمت کا ذکر کرو جو میں نے تم پر بطور انعام عطا کی اور میرے اقرار (عہد) کو پورا کرو میں تمہارے وعدہ کو پورا کروں گا اور مجھ ہی سے ڈرو۔ (۴۰)

وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ ۠ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۡ وَّاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ ﴿۴۱﴾

اور مان لو اس کتاب کو جو میں نے اتاری ہے یہ سچّا ثابت کرنے والی ہے اس کتاب کو جو تمہارے پاس ہے اور اس کے منکر اول نہ بنو اور میری آیتوں کو تھوڑی تھوڑی قیمت پر نہ فروخت کرو اور صرف مجھ ہی سے ڈرو۔ (۴۱)

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۲﴾

اور حق کو باطل کے ساتھ مت ملاؤ یعنی حق اور سچ کے ساتھ غلط اور باطل باتوں کو خلط ملط نہ کرو تمہیں تو خود اس کا علم ہے۔ (۴۲)

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾

اور نماز قائم کرو، زکوٰۃ دیتے رہا کرو اور جھکو نماز میں جھکنے والوں کے ساتھ، یعنی رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔ (۴۳)

(بقیہ گذشتہ صفحہ) دونوں نے کہا اے ہمارے رَبّ! ہم نے اپنا بڑا نقصان کیا اور اگر تو ہماری مغفرت نہ کرے گا۔ اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو ہم واقعی ہی نقصان پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ آیت نمبر ۲۳ سورۂ اعراف

اللہ تعالیٰ نے گناہوں سے معافی طلب کرنے کا طریقہ بتایا تو وہ معافی کے خواستگار ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان کی تقصیر کو در گزر فرمایا۔ بندوں کی ہدایت اور شیطان کے مکروفریب سے بچنے کے لئے یہ انتظام ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے پیغمبروں پر ہدایت آئے گی بذریعہ وحی جو شخص اللہ کی ہدایت پر عمل کرے گا نہ اسے کوئی خوف ہوگا نہ ملال وغم بلکہ وہ جنّت کا مستحق ہوگا۔ اور جو وحی الٰہی اور پیغمبر کی اطاعت، اتباع اور پیروی سے گریز کریں گے وہ جہنمی ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اے اللہ! عذاب جہنم سے محفوظ رکھیو۔ آمین یارب العالمین۔

الفاظ ومعانی آیت نمبر ۴۰ تا ۴۳

﴿ اِسْرَآءِيْلَ ﴾ اس کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کا بندہ، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے حضرت یعقوب علیہ السلام جنہیں اسرائیل کہا جاتا ہے۔ یہود کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے یعنی یعقوب علیہ السلام کی اولاد ان کے بارہ بیٹے تھے جن سے یہود کے بارہ قبیلے بنے اور ان میں کثرت سے انبیاء اور رسول ہوئے، بنی اسرائیل قریب قریب ڈیڑھ سو سال کنعان میں قیام کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں مصر میں آباد ہو گئے۔ اندازاً چار سو سال کے بعد وہاں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ارض مقدس میں واپس ہوئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت یوشع علیہ السلام کی سرکردگی میں ارضِ مُقدّس کو فتح کیا یہ بات ذہن میں رہے کہ حضور ﷺ کے ظہور سے کئی سال قبل بہت سے یہودی عرب میں آ کر آباد ہو گئے اس لئے ان کی کتابوں میں حضور ﷺ کے بعثت کی پیش گوئی درج تھی۔ یہودیوں کے تین ممتاز قبیلے بنو نضیر، بنو قینقاع اور بنو قریظہ، یثرب (موجودہ مدینہ) میں آباد تھے۔

﴿ اُذْكُرُوْا ﴾ ذَكَرَ، يَذْكُرُ، تم یاد کرو۔ ﴿ اَنْعَمْتُ ﴾ میں نے انعام کیا۔ ﴿ اَوْفُوْا ﴾ اِیفاء سے اَوْفٰی، یُوْفِیْ، پورا کرو۔ ﴿ اُوْفِ ﴾ میں پورا کروں گا ﴿ فَارْهَبُوْنِ ﴾ پس مجھ سے ڈرو۔ ﴿ بِمَآ ﴾ اس پہ جو۔

﴿ اَنْزَلْتُ ﴾ میں نے اتارا۔ ﴿ لَاتَشْتَرُوْا ﴾ اِشْتَرٰی، یَشْتَرِیْ، تم مت خرید و رتم نہ لو۔ ﴿ عَهْدِیْ ﴾ میرا عہد۔ ﴿ مُصَدِّقًا ﴾ تصدیق کرنے والا، بطور اسم فاعل ہے۔ ﴿ ثَمَنًا ﴾ معاوضہ راجرت رقیمت۔ ﴿ اِرْكَعُوْا ﴾ رَكَعَ، یَرْكَعُ، تم جھکو، تم رکوع کرو۔ ﴿ اَتَاْمُرُوْنَ ﴾ اَمَرَ، یَاْمُرُ، کیا تم حکم کرتے ہو۔ ﴿ تَنْسَوْنَ ﴾ نَسِیَ، یَنْسٰی، بھول رتم بھول جاتے ہو۔ ﴿ تَتْلُوْنَ ﴾ تم تلاوت کرتے ہو۔ ﴿ تَعْقِلُوْنَ ﴾ تم شعور سے کام لیتے ہو رسوچتے ہو۔

تشریح وتوضیحات آیت نمبر ۴۰ تا ۴۳

اِن آیاتِ مبارکہ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ بنی اسرائیل کو مخاطب کر کے کہا جارہا ہے کہ تمہاری نافرمانیاں حد سے تجاوز کر گئی ہیں۔ اور تم اپنے وعدوں سے منحرف ہو گئے ذرا میرے احسانات' انعامات اور عطائے کرم اور نعمتوں کو یاد کرو۔ تم نے مجھ سے اطاعت وعبادت کا جو عہد کیا تھا اسے پورا کرو تو میں بھی اپنا وعدہ پورا کروں گا۔ میرے عذاب سے ڈرو، میرے محبوب ﷺ پر جو قرآن مجید نازل ہوا ہے اس پر ایمان لاؤ۔ جو تمہاری کتاب کی تصدیق کرتا ہے۔ تم سب سے پہلے اس کے منکر ہونے کے مرتکب نہ ہو۔

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب رشد و ہدایت ہے' اس سے پہلے تورات تمہاری طرف اتاری گئی' تم نے اس میں تحریف کردی ہے۔ قرآن اس کے نزول کی تصدیق کرتا ہے قرآن پر اور صاحب قرآن پر ایمان لاؤ، تم اس حکم سے آگاہ ہو کہ نبی آخر الزماں رسالت مآب ﷺ قرآن دے کر تمہارے درمیان بھیجے گئے ہیں۔ اے بنی اسرائیل! تم آخرت کے بجائے دنیا کے دیوانے ہو، تورات کی تعلیمات کا غلط مفہوم محض دنیا کی طلب، مال و دولت، عظمت و وقار حاصل کرنے کی خاطر بیان نہ کرو اس غلط رویہ اور غلط سلوک کی تمہیں سزا ملے گی۔ اس لئے تمہیں چاہیے کہ تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ تا کہ تم اس جرم سے بچ سکو۔

تم بخوبی جانتے ہو کہ حق کیا ہے اور ناحق کیا ہے لیکن اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کی خاطر تم حق کو پوشیدہ رکھ کر غلط اور جھوٹی بات ظاہر کرتے ہو جان لو! یہ بڑا جرم ہے۔ ''جس نے قرآن کے ساتھ کفر کیا، اس نے محمد مُصطفٰی ﷺ کے ساتھ کفر کیا، اور جس نے محمد ﷺ کے ساتھ کفر کیا اس نے قرآن کے ساتھ کفر کیا۔'' (بحوالہ ابن کثیر)

احکامِ باری تعالیٰ کے مقابلے میں دنیاوی، جاہ و جلال، اور مفادات کو اہمیت نہ دو۔ احکام الٰہی تو اتنے قیمتی ہیں کہ ساری دنیا کا مال و متاع بھی اس کے مقابلے میں حقیر اور کم تر ہے۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہے کہ ہیچ ہے۔ اگر چہ اصل خطاب تو بنی اسرائیل سے ہے۔ لیکن یہ حکم قیامت تک کے آنے والوں کے لئے ہے جو بھی باطل کو حق، اور حق کو باطل قرار دے گا اور حق کو باطل کے ساتھ مشتبہ نہ کرو محض طلب دنیا کے لئے وہ اس وعید میں شامل ہوگا۔ (بحوالہ فتح القدیر)

آیت ۴۳ واقیموا الصلٰوۃ واتوا الزکٰوۃ

تم نماز کی پابندی کرو اور زکوٰۃ دیتے رہا کرو، ایک جسمانی عبادت ہے تو دوسری مالی عبادت ہے۔ نماز تمام تر برائیوں سے روکتی ہے اور ادائیگی زکوٰۃ دنیا کی طمع اور محبت کو دل میں گھر کرنے نہیں دیتی ہے ویسے بھی یہ دونوں عبادات ایسی ہیں جو ہر زمانے، ہر دور میں دین اسلام کی اہم ترین رکن رہی ہیں، انبیاء کی طرح انبیائے بنی اسرائیل نے بھی اس کی سخت وعید رتاکید (باقی اگلے صفحہ پر)

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۴۴﴾

کیا تم لوگوں کو بھلائی کرنے کو حکم کرتے ہو! اور خود اپنے آپ کو فراموش کئے دیتے ہو حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو کیا تم اتنی بھی سمجھ بوجھ نہیں رکھتے؟ (۴۴)

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ﴿۴۵﴾

اور صبر اور نماز کے ساتھ مدد طلب کرو۔ البتہ وہ گراں ہے مگر ان لوگوں پر شاق نہیں جو عجز کرنے والے ہیں۔ (۴۵)

الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۴۶﴾

جن کو خیال ہے کہ وہ ملاقات کرنے والے ہیں اپنے ربّ سے اور یہ کہ اُن کو اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ (۴۶)

(بقیہ گذشتہ صفحہ سے آگے) فرمائی تھی۔ مگر یہودی ان سے غافل تھے زکوٰۃ دینے کے بجائے یہ لوگ سود (ربٰو) کھانے لگے تھے۔

تکبّر کی وجہ سے تم اپنے آپ کو عوام سے بالاتر سمجھتے ہو اور ان سے ملنے جلنے سے عار برتتے ہو، ایسا نہ کرو بلکہ باہمی اشتراک عمل کے ساتھ باجماعت نماز پڑھا کرو تاکہ باہم جذبہ اخوّت پیدا ہو جائے اور ایک دوسرے سے ملنے کا موقع ملے جس کی بنا پر چھوٹے بڑے کی تمیز ختم ہو جائے۔ بقول شاعر مشرق

اک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز	نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز
بندۂ صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے	تیری سرکار میں پہنچے تو سب ہی ایک ہوئے (اقبال)

الفاظ و معانی آیت نمبر ۴۴ تا ۴۶

﴿ اَتَاْمُرُوْنَ ﴾ کیا تم حکم کرتے ہو۔ ﴿ النَّاسَ ﴾ لوگوں کو۔ ﴿ بِالْبِرِّ ﴾ بھلائی کا، نیکی کا۔ ﴿ بِالصَّبْرِ ﴾ برداشت رصبر، ثابت قدم رہنا۔ ﴿ الصَّلٰوةِ ﴾ نماز۔ ﴿ كَبِيْرَةٌ ﴾ گراں، دشوار، شاق۔ ﴿ تَنْسَوْنَ ﴾ تم بھول جاتے ہو۔ ﴿ اَنْفُسَكُمْ ﴾ اپنے آپ کو راپنے لئے۔ ﴿ تَتْلُوْنَ ﴾ تم تلاوت کرتے ہو۔ ﴿ اِسْتَعِيْنُوْا ﴾ مدد مانگنا رتم مدد طلب کرو۔ ﴿ الْخٰشِعِيْنَ ﴾ عجز و انکساری کرنا، خوف رکھنا رقواعد کے لحاظ سے اسم فاعل ہے۔ ﴿ يَظُنُّوْنَ ﴾ ظَنَّ۔ يَظُنُّ۔ سمجھتے ہیں وہ گمان کرتے ہیں۔ ﴿ مُلٰقُوْا ﴾ دیکھنے والے، ملنے والے۔ قواعد کے مطابق اسم فاعل ہے۔ ﴿ رٰجِعُوْنَ ﴾ لوٹنے والے، رجوع کرنے والے، یہ بھی اسم فاعل ہے۔

تشریح و توضیحات آیت نمبر ۴۴ تا ۴۶

اِن آیاتِ مبارکہ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ کیا تم حکم کرتے ہو لوگوں کو نیک کام سرانجام دینے کا اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو، تم تو مضامینِ (کتاب) تورات سے واقف ہو اور دوسروں کو ان کی تعلیمات کی ترغیب دیتے ہو لیکن کس قدر افسوس کی بات ہے تم خود اس پر عمل نہیں کرتے ہو کیا اس قدر معمولی بات بھی تمہاری سمجھ سے باہر ہے۔

صبر اور نماز دو بڑی روحانی قوتیں ہیں جن سے نفس کی پاکیزگی، اصلاح اور [illegible] میں معاونت ملتی (بقیہ اگلے صفحہ پر)

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝٤٧

اے بنی اسرائیل! تم میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام کی، اور میں نے تم کو فضیلت دی تمام عالم پر۔ (۴۷)

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْــًٔـا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝٤٨

اور ڈرو اس دن سے جب کوئی کسی کے بھی کچھ کام نہ آئے گا اور نہ شفاعت اور سفارش ہوگی، اور نہ کوئی بدلہ لیا جائے گا اور نہ وہ مدد کئے جائیں گے۔ (۴۸)

وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝٤٩

اور جب ہم نے تمہیں فرعون کے لوگوں سے نجات دی جو تمہیں بہت سخت بُرا عذاب دیتے تھے، جو تمہارے بیٹوں کو ذبح کر قتل کرتے تھے اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ رہنے دیتے تھے، اور اس میں تمہارے ربّ کی طرف سے بڑی آزمائش تھی۔ (۴۹)

وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝٥٠

اور جب ہم نے تمہارے لئے دریا کو چیر دیا اور تمہیں اس پار کر دیا اور فرعون کے لوگوں کو تمہاری نظروں کے سامنے اس میں غرق کر دیا۔ (۵۰)

وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝٥١

اور جب ہم نے حضرت موسیٰؑ سے چالیس راتوں کا وعدہ کیا، پھر تم اس کے بعد گائے کے بچھڑے کی پرستش کرنے لگے اور ظالم بن گئے۔ (۵۱)

ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝٥٢

ہم نے اس کے باوجود پھر بھی تمہیں معاف کر دیا تا کہ تم شکر ادا کرو۔ (۵۲)

(بقیہ گذشتہ صفحہ سے آگے) ہے نماز سے ایک مومن کا تعلق اور رابطہ اللہ تعالیٰ سے ہو جاتا ہے جس سے اُسے اللہ تعالیٰ کی حمایت اور نصرت ملتی ہے۔ صبر سے اخلاق کی پختگی اور ایمان میں استقامت ملتی ہے۔ حدیثِ مبارکہ میں آتا ہے۔

اِذَا حَزَبَهٗ فَزِعَ اِلَى الصَّلٰوةِ

حضور ﷺ کو جب بھی کوئی اہم معاملہ درپیش آتا آپ ﷺ فوری طور پر نماز کا اہتمام فرماتے (بحوالہ احمد، ابوداؤد، بتشریح فتح القدیر)

یہ بات برملا کہی جا سکتی ہے کہ نماز کی پابندی عام لوگوں کے لئے گراں ضرور ہے لیکن خشوع و خضوع اختیار کرنے والوں کے لئے آسان "سہل تر" بلکہ باعثِ اطمینان قلب اور باعثِ راحت ہے یہ کہنا بجا ہے کہ قیامت پر یقین اور کامل یقین اعمال خیر کا آسان کر دیتا ہے اور بے فکری انسان کو بے عمل کے ساتھ ساتھ بدعمل کر دیتی ہے۔

جن لوگوں کو اس بات کا یقین ہے کہ یہ متاع حیات چند روزہ ہے روز آخرت اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونا ہے اپنے اعمال کا حساب دینا ہے اللہ تعالیٰ کے پاس لوٹ کر جانا ہے وہ صبر اور نماز سے اللہ تعالیٰ کی مدد طلب کرتے ہیں۔

الفاظ و معانی آیت نمبر ۴۷ تا ۵۲

﴿ اُذْكُرُوْا ﴾ ذکر، یذکر، تم یاد کرو۔ ﴿ اَلَّتِيْٓ ﴾ وہ لوگ جو۔ ﴿ فَضَّلْتُكُمْ ﴾ فضل، یفضل، میں نے فضیلت دی تم کو ﴿ لَا تَجْزِيْ ﴾ نہیں کام آئے گی۔ ﴿ لَا ﴾ نہیں۔ ﴿ يُقْبَلُ ﴾ قبول کی جائے گی۔ ﴿ يُؤْخَذُ ﴾ اخذ

يَاْخُذُ ،لیا جائے گا۔﴿ نَجَّيْنٰكُمْ ﴾نجّی ،یُنجی ،ہم نے نجات دی تم کو۔﴿ يَسُوْمُوْنَكُمْ ﴾قسام ،بتلا رکھتے تھے تم کو۔قواعد کے لحاظ سے مضارع جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے۔﴿ يُذَبِّحُوْنَ ﴾ذَبَّحَ ،یُذَبِّحُ ،وہ ذبح کرتے تھے۔﴿ يَسْتَحْيُوْنَ ﴾اِسْتَحْیٰ ، یَسْتَحْیِ ،وہ زندہ رہنے دیتے تھے۔﴿ فَرَقْنَا ﴾فَرَقَ ، یَفْرِقُ ،ضرب لگانا /چیرنا ،پھاڑا ہم نے۔(قواعد سے ماضی جمع متکلم کا صیغہ ہے)﴿ شَفَاعَةٌ ﴾شفاعت ،سفارش کرنا ،(مصدر ہے)﴿ عَدْلٌ ﴾بدلہ۔﴿ اَبْنَآءَكُمْ ﴾اس کا واحد ابن ہے ،تمہارے بیٹے۔﴿ ذٰلِكُمْ ﴾یہ ،اس۔قواعد کے لحاظ سے جمع مذکر مخاطب کے لئے استعمال ہوتا ہے۔﴿ بَلَآءٌ ﴾ آزمائش /سخت مصیبت تھی۔﴿ وَاَغْرَقْنَآ ﴾اغرق ،یُغرِقُ ،ہم نے ڈبو دیا۔﴿ تَنْظُرُوْنَ ﴾نَظَرَ ، یَنظُرُ ،تم دیکھتے ہو ﴿ اَرْبَعِيْنَ ﴾چالیس۔﴿ اتَّخَذْتُمُ ﴾اِتَّخَذَ ،یَتَّخِذُ ،تم نے بنالیا۔﴿ الْعِجْلَ ﴾گائے کا بچھڑا ،گوسالہ۔﴿ عَفَوْنَا ﴾ عَفَوْنَا ، غَفَا ، یَعْفُوْ ،ہم نے خطا بخش دی /معاف کیا۔﴿ تَشْكُرُوْنَ ﴾ شَکَرَ ،یَشْکُرُ ،تم شکر گزار ہو جاؤ۔

توضیح وتشریحات آیت نمبر ۴۷ تا ۵۲

اِن آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کے احسانات کا اظہار بیان جو بنی اسرائیل پر کئے گئے ۔قرآن مجید لوگوں کو راہ ہدایت پر لانے کے لئے کبھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور احسانات کا ذکر کرتا ہے۔اور کبھی گذشتہ اقوام کے حالات کا تذکرہ کرتا ہے اور کبھی حیات بعد الموت کی طرف توجّہ مبذُول کراتا ہے۔اولادِ یعقوب پر اللہ تعالیٰ کا احسان /انعام تو یہ ہے کہ بنی اسرائیل کو دینی اور دنیاوی لحاظ سے ساری کائنات میں ممتاز کیا۔اس میں پیغمبر آئے ،ان کو بادشاہت ملی ،دولت عطا ہوئی ،اور علم سے بھی سرفراز کیا گیا۔ان کو تمام جہانوں پر فضیلت دی گئی ۔لیکن انہوں نے معصیت الٰہی کے مرتکب ہو کر گنوالی ۔بلکہ ان کے ملنے کی اساس ،ایمان ،ایقان اور عمل پر ہے ۔یہود کو یہ گمان رہا کہ ہم تو اللہ تعالیٰ کے محبوب اور پسندیدہ ہیں اس لئے مؤاخذۂ آخرت سے بچ جائیں گے۔اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کے نافرمانوں کو کوئی سہارہ نہیں دے سکے گا۔حضرت محمد ﷺ یقیناً شفاعت فرمائیں گے اور اللہ تعالیٰ آقائے نامدار ﷺ کی شفاعت قبول فرمائے گا لیکن خدارا یہ بھی ذہن میں رہے کہ احادیث مبارکہ میں آتا ہے۔اِحْدَاث فِی الدِّیْن ،بدعت کے ارتکاب کرنے والے اس سے محروم ہی رہیں گے۔هَدَاهَا اللّٰه تعالٰی

یہ لمحہ فکر یہ ہے۔بہت سے گنہگاروں کو جہنّم میں سزا دینے کے بعد آپ ﷺ کی شفاعت پر جہنم سے نکالا جائے گا۔کیا جہنم کی یہ سزا قابل برداشت ہوگی؟ اللہ تعالیٰ ہمیں بدعات اور معصیت کے ارتکاب سے محفوظ رکھے۔آمین

بنی اسرائیل کا یہ سمجھنا کہ اس دنیا میں جیسی چاہیں زندگی بسر کریں آخرت میں بہر نوع انہیں نجات ملے گی اور ان کے پیغمبران کے مذہبی پیشواء انہیں بہشت میں داخل کریں گے۔ان کے اس باطل عقیدہ کے جواب میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔یوم آخرت وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ ہی کو کُلّی اور کامل اختیار ہے۔یاد رکھیے۔نہ تو کوئی ایک دوسرے کا بدلہ چکا سکے گا ہے نہ کوئی کسی کے کام آئے گا۔

ع ہزاروں منزلیں ہوں گی ہزاروں کارواں ہونگے

بہت تم ہم کو ڈھونڈو گے نہ جانے ہم کہاں ہونگے

کہنے کا مطلب یہ کہ ہر شخص کو اپنی پڑی رہے گی۔اس دن کسی کی سفارش کام آنے کی نہیں !وہاں تو انسان کو اس کے اعمال

کے مطابق سزا جزا دی جائے گی۔ وہ دن المناک دن ہوگا۔ کوئی کسی کی مدد نہ کر سکے گا سوائے اللہ تعالیٰ کے رحم وکرم کے سوائے کوئی چیز کام نہیں آئے گی۔

بنی اسرائیل دنیا میں ایک معزّز اور محترم قوم سمجھی جاتی تھی یہ بُزرگی اور عَظمت ان کے عقائد اور اعمال کے سبب تھی۔ جب یہ لوگ اعمال صالح کے بجائے نَفس پرستی کا شکار ہوئے تو وہ اخلاقی پستی میں مبتلا ہوئے۔ فرعون اور فرعون کے ساتھی اپنے غلاموں پر مظالم ڈھاتے رہتے تھے۔ اور انہیں ہر طرح کی تکلیف دیا کرتے تھے۔ تو اس وقت کے فرعون سے غلاموں نے کہا تھا کہ اولاد یعقوب میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو تمہارا تخت الٹ دے گا۔ اس پیشگوئی پر فرعون بے حد سراسیمہ (خوف زدہ ہوا) اور عام حکم جاری کیا کہ بنی اسرائیل میں اگر کوئی لڑکا پیدا ہو جائے تو فوری طور پر قتل کر دیا جائے اور اگر لڑکی کی تولد ہو تو اسے چھوڑ دیا جائے اور لڑکیوں کو فرعونی حکمراں اپنی ہوس کا شکار بنا لیتے اس طرح بنی اسرائیل کے آدمیوں کے ہاتھوں گرفتارِ بلا ہوئے بالآخر اللہ تعالیٰ کو بدکردار قوم پر رحم آ ہی گیا حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توارت عطا کرنے کے لئے وادئ طور پر بلایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جانے کے بعد بنی اسرائیل نے سامری کے ساتھ لگ کر گوسالہ پرستی رگائے کے بچے کی پرستش شروع کر دی۔[1]

جب فرعون کو علم ہوا کہ فرمانبردار غلام ہاتھوں سے نکلے جا رہے ہیں۔ تو ایک فوج لے کر بحرِ قلزم پہنچا تا کہ ان کا تعاقب کیا جائے اس عالمِ پریشانی میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی اور بنی اسرائیل کی مدد اس طرح سے کی کہ سمندر دو ٹکڑے ہو گیا اور درمیان میں خشکی کا راستہ نکل آیا۔ تو سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے ساتھ بحفاظت سمندر پار کر لیا۔ اور فرعونیوں کو اُن کے سامنے اس میں ڈبو دیا۔ سمندر کی دوسری جانب بنی اسرائیل یہ سارا منظر اور پیش مَنظر دیکھ رہے تھے مفسرین کا کہنا ہے کہ یہ واقعہ ۱۵۰۰ ق م کا ہے۔ (بحوالہ ابن کثیر)

آیت نمبر ۵۲ ثُمَّ عَفَوْنَا میں اظہارِ بیان ہے کہ اس وقت تم نے بڑی زیادتی کی تھی مگر اس پر بھی ہم نے تمہیں معاف کر دیا تا کہ تم شکر گزار بنو۔

❀❀

[1]: گوسالہ پرستی گائے کے بچے کی (بچھڑے) کی پوجا کا واقعہ بائبل کتاب خروج باب ۳۲ میں درج ہے۔

وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۵۳﴾ اور جب ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تمہاری ہدایت کے لئے کتاب اور معجزے عنایت کئے۔ (۵۳)

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۴﴾

اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا، اے میری قوم کے لوگو! تم نے بچھڑے کو معبود مان کر اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے تو تم اپنے پیدا کرنے والے کے آگے توبہ کرو اپنے آپ کو آپس میں ہلاک کر ڈالو، اللہ کے نزدیک تمہاری بہتری اسی میں ہے، اس نے تمہاری توبہ قبول کرلی وہ توبہ قبول کرنے والا اور رحم و کرم کرنے والا ہے۔ (۵۴)

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۵﴾

اور جب تم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا جب تک ہم اپنے رب کو اپنے سامنے نہ دیکھ لیں، ہرگز ایمان نہ لائیں گے تو تم کو گستاخی کے جرم کے طور پر بجلی نے آگھیرا اور تم دیکھ رہے تھے۔ (۵۵)

ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۶﴾ پھر ہم نے تمہاری موت کے بعد تم کو زندہ کیا تاکہ تم شکر گزار بنو (۵۶)

الفاظ و معنی آیت نمبر ۵۳ تا ۵۶

﴿ اِذْ ﴾ جب۔ ﴿ اٰتَيْنَا ﴾ دی ہم نے۔ ﴿ اَلْفُرْقَانَ ﴾ سچ اور جھوٹ میں فرق بتانے والی۔ ﴿ لَعَلَّ ﴾ شاید، تاکہ۔ ﴿ تَهْتَدُوْنَ ﴾ تم ہدایت یافتہ ہو جاؤ۔ ﴿ اِهْتَدٰى ﴾ يَهْتَدِىْ، ہدایت، ہدایت پانا۔ ﴿ ظَلَمْتُمْ ﴾ ظَلَمَ، يَظْلِمُ، تم نے ظلم کیا۔ ﴿ اَنْفُسَكُمْ ﴾ اپنے تئیں ﴿ اُقْتُلُوْا ﴾ قَتَلَ، يَقْتُلُ، قتل کرو۔ ﴿ تُوْبُوْا ﴾ تَابَ، يَتُوْبُ، توبہ کرو، رجوع کرو۔ ﴿ لَنْ ﴾ ہرگز نہیں۔ ﴿ نُؤْمِنَ ﴾ ہم ایمان لائیں گے۔ ﴿ نَرٰى ﴾ رایَ، يَـرَایٰ، ہم دیکھیں۔ ﴿ اَخَذَتْ ﴾ اَخَذَ، يَاْخُذُ، اس نے پکڑا، اس نے گھیرے میں لے لیا۔ ﴿ اَلصّٰعِقَةُ ﴾ بجلی کی کڑک۔

تشریح و توضیحات آیت نمبر ۵۳ تا ۵۶

اِن آیاتِ مبارکہ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ بنی اسرائیل پر چوتھے احسان کا تذکرہ کیا جارہا ہے کہ ہدایت کے لئے ان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پیغمبر بنا کر بھیجے گئے۔ تاکہ ان کی تعلیمات سے نفع پائیں۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ ہم نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو حق و باطل میں امتیاز پیدا کرنے کی صلاحیت اور قوت دی تاکہ اسے دیکھ کر وہ راہِ راست اختیار کرلیں۔

اکثر مفسرین نے لکھا ہے کہ ممکن ہے کہ کتاب یعنی تورات ہی کو فرقان سے بھی تعبیر کیا گیا ہو۔ اس لئے کہ ہر آسمانی کتاب حق و باطل کے فرق کو واضح کرنے والی ہوتی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ مُعجزات کو فرقان کا نام دیا گیا ہو کیونکہ مُعجزات بھی حق و باطل کی پہچان میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تورات لے کر واپس آنے تک بنی اسرائیل نے بت پرستی کی راہ اختیار کی اور گوسالہ کی پوجا کر کے اللہ تعالیٰ کے انعامات کی خلاف ورزی کی روش اختیار کی' اس طرح وہ شرک کے مرتکب ہوئے۔

فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ کا مفہوم یہ ہے کہ اپنے کو آپس میں قتل کرو۔ علماء مفسرین نے اس کی دو تفسیریں بیان کی ہیں ایک یہ کہ سب کو دو صفوں میں کر دیا گیا۔ اور انہوں نے ایک دوسرے کو قتل کیا دوسری یہ کہ شرک کا ارتکاب کرنے والوں کو کھڑا کر دیا گیا۔ اور جو اس جرم سے محفوظ رہے تھے انہیں قتل کرنے کا حکم دیا گیا۔ بہر نوع آپس میں غیر مجرم اور مجرم کو موت کے گھاٹ اتار دیں۔ یہ شرط قبولیت توبہ کے لئے رکھی گئی کئی لوگ اس سزا کی بنا پر قتل کر دیئے گئے مقتولین کی تعداد ستر (۷۰) ہزار بیان کی گئی (بحوالہ ابن کثیر اور بحوالہ فتح القدیر)

غرض بنی اسرائیل جرم پر جرم، بغاوت پر بغاوت، نافرمانی پر نافرمانی کرتے جاتے تھے لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سفارش پر اللہ تعالیٰ جل شانہٗ ان کے گناہ معاف کر دیا کرتا تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے ہمراہ ستر (۷۰) آدمی کو تورات لینے کی خاطر کوہ طور گئے تو واپسی پر لوگوں نے کہا کہ ہم جب تک اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کو اپنے سامنے نہ دیکھ لیں ہمیں آپ کی بات کا یقین نہیں انہوں نے انکار کیا جس پر بطور عتاب ان پر بجلی گری، اور وہیں موت کی آغوش میں سو گئے۔ انہی آدمیوں کے بیان شہادت پر پوری قوم کے ایمان لانے کا انحصار تھا۔ سید نا موسیٰ علیہ السلام نے انتہائی عجز و انکساری سے رَبّ کے حضور دعا مانگی کہ انہیں دوبارہ زندگی مل جائے چنانچہ یہ دعا مقبول ہوئی اور وہ ستر آدمی دوبارہ زندہ ہو گئے۔ سبحان اللہ کیا شان ہے رب کی۔

اس واقع سے اس بات کا علم ہوا کہ اللہ تعالیٰ جس طرح موت دیتا ہے۔ اسی طرح دوبارہ زندہ کر سکتا ہے اس امر کا تقاضا تو یہ تھا کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا قائل ہونا چاہئے تھا چونکہ وہ فطرتاً ایک سَرکَش اور باغی قوم تھی اس لئے راہ راست پر نہ آئی اور اللہ تعالیٰ کے اس احسان عظیم کی کوئی قدر نہ کی۔

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَأَنزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوَىٰ كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَمَا ظَلَمُونَا وَلَٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿٥٧﴾	اور ہم نے ابر کا سایہ کیا تم اور ہم نے تم پر من وسلویٰ اتارا اور جو پاکیزہ چیزیں ہم نے دی ہیں انہیں کھاؤ، انہوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا بلکہ خود وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے (۵۷)
وَإِذْ قُلْنَا ادْخُلُوا هَٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُولُوا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطَايَاكُمْ ۚ وَسَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ ﴿٥٨﴾	اور جب ہم نے ان سے کہا اس بستی میں داخل ہو جاؤ اور جو کچھ جہاں سے چاہو بافراغت کھاؤ، پیئو اور دروازے سے سجدہ کرتے ہوئے گذرو اور حطۃ (بخش دے ہمارے گناہ) زبان سے کہو ہم تمہارے گناہ معاف کردیں گے اور نیکی کرنے والوں کو اور زیادہ عطا کریں گے۔ (۵۸)
فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَنزَلْنَا عَلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿٥٩﴾	پھر ان ظالموں نے اس بات کو جو ان سے کہی گئی تھی تبدیل کردی ہم نے بھی ان کے فسق وفجور اور نافرمانی کے سبب آسمانی عذاب نازل کیا۔ (۵۹)

الفاظ ومعنیٰ آیت نمبر ۵۷/۵۹

﴿ ظَلَّلْنَا ﴾ ظَلَّلَ یُظَلِّلُ، سایہ کیا ہم نے۔ ﴿ اَلْغَمَامَ ﴾ ابر، بادل۔ ﴿ اَلْمَنَّ ﴾ ترنجبین، میٹھی، مرطوب چیز، بعض نے ترنجبین کے یہ معنی لئے ہیں وہ اوس جو درخت یا پتھر پر گرتی ہے، شہد کی طرح میٹھی ہوتی ہے اور پھر خشک ہو کر گوند کی طرح خشک ہو جاتی ہے بعض کے نزدیک اس کا مفہوم شہد یا میٹھا پانی ہے۔ بخاری شریف اور مسلم شریف میں حدیث مذکور ہے کہ کھنبی من کی اس قسم سے ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اتری اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ جس طرح بنی اسرائیل کو وہ کھانا بلا دقت پہنچ جاتا اسی طرح کھنبی بغیر بوئے / اگائے پیدا ہو جاتی ہے۔ (بحوالہ تفسیر احسن التفاسیر) ﴿ اَلسَّلْوٰی ﴾ بٹیر، چڑیا کی طرح ایک پرندہ تھا جسے ذبح کرکے کھالیتے۔ (بحوالہ فتح القدیر) ﴿ طَیِّبٰتِ ﴾ پاکیزہ چیزیں۔ ﴿ اَنْفُسَهُمْ ﴾ اپنے ہی نفسوں پر۔ ﴿ یَظْلِمُوْنَ ﴾ ظلم کرتے۔

تشریح وتوضیحات آیت نمبر ۵۷/۵۹

اِن آیاتِ مبارکہ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ فرعون سے نجات پانے کے بعد بنی اسرائیل کی منزل مقصود فلسطین تھی۔ مدتوں فرعون کی غلامی کا نتیجہ یہ تھا کہ ان کی ساری صلاحیتیں، اور قوتیں سلب ہو گئیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے چالیس سال تک انہیں وادی سینا میں رکھا۔ صحرائے سینا میں جہاں نہ کوئی سایہ تھا۔ نہ کوئی ٹھکانا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے دن کے وقت پر ان پر ابر کا سایہ ہو جاتا جس کی وجہ سے وہ دھوپ کی شدت سے محفوظ رہتے۔ اللہ تعالیٰ نے کھانے کے لئے من وسلویٰ[1] کا انتظام فرمایا لیکن بنی اسرائیل نے کفرانِ نعمت کا ارتکاب کیا۔

صحرائے سینا کی بے مشقت زندگی کے بجائے بنی اسرائیل نے شہری زندگی کا مطالبہ کیا تو ان سے کہا گیا (باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] من وسلویٰ قدرتی غذائیں تھیں جوان لوگوں کو چالیس برس برابر ملتی رہیں۔ مَن وسلویٰ کی کیفیت کا بیان بائیبل کتاب خروج باب ۱۶ گنتی ۱۱، آیت ۷، ۹، ۳۱، ۳۲ اور یشوع باب ۵، آیت ۱۲ میں تفصیلاً درج ہے۔

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝ اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لئے پانی طلب کیا تو ہم نے کہا کہ اپنی لاٹھی پتھر پر مارو جس سے بارہ چشمے ابل پڑے اور ہر گروہ نے اپنے چشمے کی گھاٹ کو پہچان لیا۔ کھاؤ پیو اللہ تعالیٰ کے رزق سے اور زمین میں فساد پھیلاتے نہ پھرو (۶۰)

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِىْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِىْ هُوَ خَيْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝

اور جب تم نے کہا اے موسیٰ (علیہ السلام) ''ہم سے ایک ہی طرح کے کھانے پر ہر ہرگز صبر نہ ہو سکے گا'' اس لئے اپنے پروردگار سے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں زمین کی پیداوار، ترکاری، ککڑی، گندم، مسور اور پیاز دے۔ آپ نے فرمایا بہتر چیز کے عوض کم تر چیز کیوں مانگتے ہو۔ اچھا شہر جاؤ وہاں تمہاری مرضی کی یہ سب چیزیں ملیں گی۔ ان پر رسوائی اور محتاجی ڈال دی گئی اور اللہ تعالیٰ کا غضب (عتاب) لے کر وہ لوٹے یہ اس لئے کہ وہ رب کی آیتوں کے ساتھ کفر کرتے تھے اور نبیوں کو ناحق مار دیتے تھے یہ ان کی نافرمانی اور زیادتیوں کا انجام ہے (۶۱)

(بقیہ گذشتہ صفحہ سے آگے) کہ اس بستی میں داخل ہو جاؤ اور جو چاہو فراغت کے ساتھ کھاؤ، پیو، لیکن اس بستی کے دروازے پر پہنچو تو سجدہ اور توبہ و استغفار کرتے ہوئے داخل ہونا۔ لیکن اس ہدایت کے بجائے انہوں نے تمسخر کے کلمات استعمال کئے۔ اس کی وضاحت کے لئے مناسب معلوم ہوتا ہے صحیح بخاری شریف، اور صحیح مسلم کی حدیث مبارکہ سے حوالہ دیا جائے جس میں آقا محمد ﷺ کا ارشاد ہے۔

''اور ان کو حکم دیا گیا تھا کہ سجدہ کرتے ہوئے داخل ہوں۔''

لیکن وہ سُرینوں کے بَل گھسیٹے ہوئے داخل ہوئے اور حِطَّۃٌ (حِطَّۃٌ) کے بجائے حَبَّۃٌ فِیْ شَعْرَۃٍ کہا یعنی (گندم بالی (بال میں دانہ میں) اِس سے اُن کی سَرکشی و بغاوت جو ان کے اندر سما گئی تھی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ حقیقتِ واقعہ تو یہ ہے کہ جب کوئی قوم اخلاقی لحاظ سے زوال پذیر ہو جائے تو اس کا معاملہ احکام الٰہی کے ساتھ اسی طرح ہوتا ہے گویا وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوئے ان کی اس پاداش میں ''عذاب الٰہی'' نازل ہوا۔ اکثر مورخین اس خیال سے متفق ہوئے ہیں کہ وہ عذاب طاعون کی شکل میں پھوٹ پڑا جس کی وجہ سے چوبیس ہزار (۲۴۰۰۰) اسرائیلی موت کا شکار ہو گئے۔

اس بات کی تائید حدیثِ مبارکہ سے ہوتی ہے کہ حضرت محمد ﷺ کا فرمان ہے۔

''یہ طاعون اسی رِجز اور عذاب کا حصّہ ہے، جو تم سے پہلے بعض لوگوں پر نازل ہوا۔ تمہاری موجودگی میں کسی مقام پر یہ طاعون پھیل جائے تو وہاں سے مت نکلو۔ اور اگر کسی اور علاقے کی بابت تمہیں معلوم ہو کہ وہاں طاعون ہے تو وہاں مت جاؤ۔''

(بحوالہ صحیح مسلم کتاب السلام، باب الطاعون والطیرہ والکھانۃ ونحوھا حدیث ۲۲۱۸)

الفاظ و معانی آیت نمبر ۶۰ و ۶۱

﴿ اِذْ ﴾ جب۔ ﴿ اِسْتَسْقٰى ﴾ یَسْتَسْقِیْ، پانی طلب کیا، پانی مانگا۔ ﴿ ضْرِبْ ﴾ مار۔ ﴿ بِعَصَاكَ ﴾ اپنی چھڑی،

لاٹھی۔ ﴿ اَلْحَجَرَ ﴾ پتھر، سنگ۔ ﴿ فَانْفَجَرَتْ ﴾ نکل پڑے۔ ابل پڑے، پھوٹ نکلے۔ ﴿ اِثْنَتَا عَشْرَةَ ﴾ گنتی میں بارہ عدد۔ ﴿ عَیْنًا ﴾ چشمے۔ ﴿ اُنَاسٍ ﴾ انسان کی جمع، لوگ۔ ﴿ مَشْرَبَهُمْ ﴾ پینے کی جگہ، قواعد کے اعتبار سے اسم ظرف مکاں اور مصدر ہے، پن گھٹ ﴿ وَلَا تَعْثَوْا ﴾ اور فساد مت پھیلاؤ۔ ﴿ لَنْ ﴾ ہرگز نہیں، ﴿ نَّصْبِرَ ﴾ صَبَرَ، یَصْبِرُ، ہم صبر کریں گے۔ ﴿ تُنْبِتُ ﴾ اُگاتی ہے۔ ﴿ تَسْتَبْدِلُوْنَ ﴾ تم تبدیل کرنا چاہتے ہو، بدلنا چاہتے ہو۔ ﴿ مُفْسِدِیْنَ ﴾ فَسَدَ، یُفْسِدُ، فساد پھیلانے والے، قواعد کے مطابق اسم فاعل ہے۔ ﴿ بَقْلِهَا ﴾ ترکاری، ساگ، سبزی۔ ﴿ قِثَّآئِهَا ﴾ ککڑی۔ ﴿ فُوْمِهَا ﴾ گیہوں، ﴿ عَدَسِهَا ﴾ مسور۔ ﴿ بَصَلِهَا ﴾ پیاز۔ ﴿ سَاَلْتُمْ ﴾ سَالَ، یَسْاَلُ، طلب کیا تم نے، مانگا۔ ﴿ ضُرِبَتْ ﴾ مسلط کی گئی۔ ﴿ عَصَوْا ﴾ عَصٰی، یَعْصِیْ، انہوں نے نافرمانی کی، حکم نہ ماننا۔ ﴿ الذِّلَّةُ ﴾ رسوائی، تذلیل۔ ﴿ الْمَسْكَنَةُ ﴾ محتاج، مسکین، غربت۔ ﴿ مِصْرًا ﴾ شہر۔

تشریح وتوضیحات آیت نمبر ۶۰ و ۶۱

اِن آیاتِ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں کو جن کو یہود کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے آٹھویں انعام کے طور پر بارہ چشمے، ان کے لئے جاری کئے۔ قبیلے بھی بارہ تھے۔ ہر قبیلہ اپنے اپنے چشمے سے سیراب ہوتا یہ بھی ایک معجزہ تھا جو سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ظاہر کیا۔

حقیقتِ احوال یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے عذاب یعنی طاعون کی وباء سے بہت سے لوگ مارے گئے تو انہوں نے دوبارہ صحرائے فلسطین کا رخ کیا جہاں پانی تک موجود نہ تھا جب وہ شدّت پیاس سے بے قرار ہوئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رب سے پانی کی دعا کی اللہ تعالیٰ نے حکم دیا اے موسیٰ علیہ السلام! اپنے عصا سے ایک چٹان پر ضرب مارو۔ چنانچہ عصا کے چٹان پر ضرب لگانے سے چشمے پھوٹ پڑے۔ اللہ تعالیٰ نے پھر حکم دیا کھاؤ پیو لیکن زمین میں فساد نہ پھیلاؤ۔ وہ اپنی سَرشت سے کہاں باز آنے والے تھے۔ پھر خواہش کی کہ اپنے رَبّ سے ہمارے لئے زمینی پیداوار سبزی، ترکاری، ککڑی، مسور، پیاز، اور گیہوں کا بندوبست کیا جائے اگر تمہاری یہی خواہش اور طلب ہے تو شہر کی سمت جاؤ وہاں تمہاری مرضی کے مطابق تمام چیزیں ملیں گی۔ ان کا یہ مطالبہ کفرانِ نعمت پر مبنی تھا۔ بنی اسرائیل کی مسلسل سرکشی، بغاوت اور نافرمانی کے سبب ان پر ذِلّت اور رسوائی اور عذاب کا غضب مسلط ہو گیا۔

رحمت کی طرح، غضب بھی اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ رَبِّ جلیل کی آیتوں کا انکار اور اللہ تعالیٰ کی طرف ہونے والے انبیاء اور داعیانِ حق کا قتل اور ان کی اہانت اور ذلت یہ اللہ کے غضب کا سبب ہے۔ کل یہود اس جرم کے مرتکب ہو کر ذلیل وخوار ہوئے۔ تو آج اس کا ارتکاب کرنے والے کس طرح محترم اور سرخرو ہو سکتے ہیں! یہ لمحۂ فکر یہ ہے ہمارے لئے! ہمارے دور کے لوگوں کے لئے! لمحہ لمحہ غور فرمائیے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے احسانات اور بنی اسرائیل کی نفس پرستی، ہٹ دھرمی اور اس کے نتائج کا اظہار کر دیا ہے ہمارے لئے ان آیات میں عبرت کا بڑا درس پوشیدہ ہے۔ (۱) اس پر ہمیں فکر وتدبّر سے سوچنا ہے!۔

(۲) بنی اسرائیل کی اس غلط فہمی کو دور کیا گیا کہ رسالت موروثی نہیں ہوتی بلکہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہوتا ہے۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَالصَّابِئِينَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٢﴾

بے شک جو لوگ مسلمان ہوئے، اور جو یہودی ہوئے اور عیسائی اور صابی (ستارہ پرست) ہوئے، جو کوئی اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لائے اور عمل صالح کیا اُن کے اجر ان کے پروردگار کے پاس ہیں ان پر نہ تو کوئی خوف ہے اور نہ کوئی ملال۔ (۶۲)

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُم بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿٦٣﴾

اور جب ہم نے تم سے وعدہ لیا اور تم پر طور پہاڑ لا کھڑا کیا اور حکم دیا کہ جو کتاب ہم نے تم کو دی ہے اس کو مضبوطی سے پکڑلو اور اس میں جو کچھ تحریر ہے اسے یاد رکھو تا کہ تم بچ سکو۔ (۶۳)

ثُمَّ تَوَلَّيْتُم مِّن بَعْدِ ذَٰلِكَ ۖ فَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَكُنتُم مِّنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٦٤﴾

لیکن تم اس کے بعد بھی پھر گئے اور اگر اللہ کا فضل اور اس کی مہربانی نہ ہوتی تو تم خسارے (گھاٹے) والے ہو جاتے۔ (۶۴)

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِينَ اعْتَدَوْا مِنكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ ﴿٦٥﴾

اور تم ان لوگوں کو خوب جانتے ہو جو تم میں سے (ہفتہ) سنیچر کے دن (مچھلی کا شکار کرنے میں) حد سے بڑھ گئے اور ہم نے بھی کہہ دیا کہ تم ذلیل بندر بن جاؤ۔ (۶۵)

فَجَعَلْنَاهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ﴿٦٦﴾

پھر ہم نے اس واقع کو ان لوگوں کے لئے جو وہاں تھے اور جو پیچھے آنے والے تھے عبرت کا سبب بنا دیا اور باعث نصیحت نیک لوگوں کے لئے۔ (۶۶)

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تَذْبَحُوا بَقَرَةً ۖ قَالُوا أَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ۖ قَالَ أَعُوذُ بِاللَّهِ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ ﴿٦٧﴾

اور سیدنا موسیٰ نے جب اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم صادر کرتا ہے تو انہوں نے کہا ہم سے تمسخر (ہنسی مذاق) کیوں کرتے۔ ہو آپ نے جواب میں کہا میں ایسے جاہل سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں۔ (۶۷)

(بقیہ گذشتہ صفحہ سے آگے) (۳) علمائے یہود کو متنبہ کیا گیا کہ وہ عوام کو گمراہ کن باتیں بتانے سے گریز کریں۔ (۴) صبر اور نماز باجماعت کا حکم دیا گیا۔ (۵) یہود کے خود ساختہ عقیدہ کہ وہ بہشت کے حق دار ہیں اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید فرمائی ہے۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ بِمَا عَصَوا وَّ كَانُوا يَعْتَدُونَ۔ اس لئے کہ نافرمانی کئے جاتے اور حد سے بڑھے جاتے تھے۔ ذِلّت و رُسوائی کی دوسری وجہ یہ ہے کہ عَصَوا (نافرمانی) کا مطلب یہ لیا جا سکتا ہے کہ جن کاموں سے انہیں روکا گیا اس کا انہوں نے ارتکاب کیا۔ يَعْتَدُونَ سے مراد یہ ہے کہ وہ کاموں میں تجاوز کرتے تھے۔ یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ برائیوں سے باز رہا جائے اور ماموران کو اس طرح ادا کیا جائے جس طرح کہ حکم دیا گیا ہے اپنی جانب سے اضافہ یا کمی زیادتی اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے۔

الفاظ ومعانی آیت نمبر۶۲ / ۶۷

﴿ هَادُوْا ﴾ یہودی ہوئے۔ ﴿ اَخَذْنَا ﴾ اَخَذَ، یَاْخُذُ، لیا ہم نے۔ ﴿ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ مومنو، جولوگ مسلمان ہوئے، وہ لوگ جو توحید اور حضرت محمد ﷺ پر ایمان رکھتے تھے۔ ﴿ الَّذِيْنَ هَادُوْا ﴾ وہ لوگ جو دین یہود کو مانتے ہیں۔ ﴿ النَّصٰرٰى ﴾ اس کا واحد نصرانی ہے، بیت المقدس سے ستر (۷۰) میل شمال میں ایک قصبہ ہے ناصرہ جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام تولد ہوئے آپ کے سچے ماننے والے نصاریٰ کہلاتے ہیں۔ مسیح اور نصاریٰ فرق جاننا ضروری ہے مسیحی وہ لوگ ہیں جو چار انجیلوں پر ایمان رکھتے ہیں اور مسیح کو خدا کا بیٹا اور نجات دہندہ سمجھتے ہیں۔ ﴿ الصّٰبِـِٕيْنَ ﴾ اس کا واحد صابی، یہ وہ اہل کتاب ہیں جو دوسرے مذہب کی طرف متوجہ ہوئے حالانکہ وہ حضرت یحییٰ علیہ السلام (یوحنا) کی امت میں سے تھے۔ ﴿ خَوْفٌ ﴾ خوف، ڈر۔ ﴿ يَحْزَنُوْنَ ﴾ غمگین / اداس، وہ غمگین ہوتے ہیں ﴿ رَفَعْنَا ﴾ ہم نے بلند کیا۔ ﴿ الطُّوْرَ ﴾ جزیرہ نمائے سینا میں ایک پہاڑ کا نام، طور اس پہاڑ کو کہا جاتا ہے جس میں روئیدگی ہو۔ ﴿ تَوَلَّيْتُمْ ﴾ تم پھر گئے۔ ﴿ قَدْ عَلِمْتُمُ ﴾ عَلِمَ، یَعْلَمُ، تمہیں خوب معلوم ہے۔ ﴿ اعْتَدَوْا ﴾ اِعْتَدٰی، یَعْتَدِی زیادتی کی، فاعل ہے۔ ﴿ كُوْنُوْا ﴾ ہو جاؤ۔ ﴿ الْخٰسِرِيْنَ ﴾ نقصان پانے والے قواعد کے لحاظ سے اسم فاعل ہے۔ ﴿ السَّبْتِ ﴾ سنیچر کا روز، ہفتہ کا دن۔ ﴿ قِرَدَةً ﴾ بندر۔ ﴿ خٰسِـِٕيْنَ ﴾ رسوا۔ ﴿ يَاْمُرُ ﴾ حکم دیتا ہے۔ ﴿ تَذْبَحُوْا ﴾ ذَبَحَ، یَذْبَحُ، ذبح کرنا، تم ذبح کرتے ہو۔ ﴿ نَكَالًا ﴾ عبرت سے پر۔ ﴿ مَوْعِظَةً ﴾ نصیحت۔ ﴿ هُزُوًا ﴾ تمسخر، ہنسی مذاق۔ ﴿ الْجٰهِلِيْنَ ﴾ اس کا واحد جَاهِلٌ، اسم فاعل ہے۔

تشریح وتوضیحات آیت نمبر ۶۲ تا ۶۷

اِن آیاتِ مبارکہ میں اظہار بیان یہ ہے کہ نجات کا انحصار اللہ پر ایمان، قیامت پر کامل یقین، اور نیک عمل کرنے پر موقوف ہے چنانچہ مسلمان، یہود، نصاریٰ اور صابی انہیں کسی قسم کا خوف، رنج نہیں ہوگا۔ یوں کہیے کہ جو یہودی و نصاریٰ اور صابی حضرت محمد ﷺ کی بعثت کے وقت اپنے سچے دین پر دائم اور قائم تھے۔ اور حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات ان تک نہ پہنچیں تو اللہ ایسے لوگوں کی مغفرت فرمائے گا۔

اسلام آنے کے بعد یہ سارے مذاہب ختم ہو گئے صرف اسلام کی تعلیم ہی باعث نجات اور مغفرت ہے۔ ارشاد ربّانی ہے آیت نمبر ۱۹ سورۂ آل عمران پارہ نمبر ۴

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ

بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے۔

احادیث مبارکہ میں بھی حضرت محمد ﷺ نے وضاحت فرمائی کہ اب میری رسالت پر ایمان لائے بغیر کسی شخص کی نجات ممکن نہیں ہوسکتی۔

فرمان نبی ﷺ ہے ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میری اس اُمّت میں جو شخص بھی میری بابت سن لے وہ یہودی ہو یا عیسائی پھر وہ مجھ پر ایمان نہ لائے تو وہ جہنّم میں جائے گا۔'' (بحوالہ صحیح مسلم شریف، کتاب الایمان)

رَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ط

''یعنی تم پر کوہِ طور کو بلند کیا۔''

مُفسرین نے اس کا یہ مفہوم بیان کیا کہ ایک ایسا دہشت ناک منظر اور ماحول کہ یہ احساس ہو کہ پہاڑ اُن پر گرنے والا ہے جب توراۃ کے احکام کے متعلق یہود نے از راہِ شرارت یہ کہا کہ ہم سے تو ان احکامات پر عمل نہیں ہو سکے گا۔ تو اللہ تعالیٰ نے کوہ طور کو سائبان کی طرح ان کے اوپر کر دیا جس سے خوف کھا کر انہوں نے عمل کرنے کا قرار کر لیا۔

سَبۡتٌ ہفتہ کے روز کوئی بھی دنیاوی کام کرنے سے منع کیا گیا حالانکہ مچھلی کا شکار بھی ممنوع ہوا۔ لیکن انہوں نے بہانہ تلاش کیا بطور آزمائش یوم ہفتہ مچھلیاں زیادہ آتیں تو انہوں نے گھڑے کھود لے تاکہ مچھلیاں اس میں آکر پھنس جائیں اور پھر اس کو اتوار کے روز پکڑ لیتے۔

سبت کا واقعہ ایک ایسا واقعہ تھا جس سے یہودی بخوبی واقف تھے اس واقعہ کی یاد کا مقصد یہ تھا کہ بنی اسرائیل اس سے عبرت حاصل کریں اور راہ ہدایت پر آجائیں۔ شریعت موسوی میں سبت[1] روز ہفتہ مقدّس تھا۔ یہ واقعہ حضرت داوٗد علیہ السلام کے زمانہ (۹۷۳ر ق م تا ۱۰۱۳) ق م کا ہے۔ ان دنوں یہودیوں کا مَسکن اِیْلَہ تھا جو فلسطین کے جنوب میں اور بحرِ قلزم کے مشرق میں تھا جسے آج کل عقبہ کہا جاتا ہے۔

ان کو نافرمانی اور حکم نہ ماننے کے جرم میں ایک یہ سزا دی کہ ان کی صورتیں مسخ کر دی گئیں اور اسی تذلیل کے سلسلے میں بندر کی صورت میں تین دن تک زندہ رہ کر مر گئے۔

دراصل یہ وہ عذاب ہے جس سے اس زمانے کے لوگوں کو عبرت کا درس ملا اور آنے والے کے لئے اس میں نصیحت پوشیدہ تھی۔

چونکہ بنی اسرائیل خاصے عرصہ تک مصریوں کے ساتھ رہے اپنے اپنے آقاؤں کے عقائد اور نظریات اپنائے ہوئے تھے اسی میں ایک عقیدہ گوسالہ (گائے) کی پَرستش تھا۔ ان کی آزمائش کی خاطر اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ گائے ذبح کریں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے یہ حکم سن کر خاصے گھبرا گئے کہ کس طرح ہم اپنے معبود یعنی گائے کو ذبح کریں۔ حکم کو ٹالنے کے لئے سوالات پر سوالات کرتے رہے لیکن احکام اور شرائط میں مزید سختی ہوتی گئی۔

❀❀

[1]: جو شخص اس مقدّس یوم کی حُرمت کو توڑے وہ واجب القتل ہے (بحوالہ بائیبل سورۂ خروج باب ۳۱ آیت نمبر ۱۲ تا ۱۷)

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّن لَّنَا مَا هِيَ ۚ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَلَا بِكْرٌ عَوَانٌ بَيْنَ ذَٰلِكَ ۖ فَافْعَلُوا مَا تُؤْمَرُونَ ﴿٦٨﴾

انہوں نے کہا اے موسیٰ علیہ السلام! اپنے رب سے التجا کیجئے کہ وہ ہمیں اس کی ماہیت بیان کردے (موسیٰ نے کہا) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ وہ گائے، نہ بالکل بڑھیا ہو، نہ بچہ بلکہ درمیانی عمر کی نوجوان ہو سو جیسا تم کو حکم دیا گیا ہے ویسا ہی کرو۔ (۶۸)

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّن لَّنَا مَا لَوْنُهَا ۚ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاءُ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النَّاظِرِينَ ﴿٦٩﴾

انہوں نے کہا اپنے رب سے التجا کیجئے کہ ہم کو یہ بھی بتادے کہ اس کا رنگ کیسا ہو (موسیٰ نے کہا) اللہ فرماتا ہے اس کا رنگ گہرا زرد ہو کہ دیکھنے والوں کو بھلا لگے۔ (۶۹)

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّن لَّنَا مَا هِيَ إِنَّ الْبَقَرَ تَشَابَهَ عَلَيْنَا وَإِنَّا إِن شَاءَ اللَّهُ لَمُهْتَدُونَ ﴿٧٠﴾

وہ کہنے لگے کہ رب سے درخواست کیجئے کہ ہم کو بتادے کہ وہ کس طرح کی ہو کیونکہ اس قسم کی گائے تو بہت ہیں پتہ نہیں چلتا بے شک اللہ نے چاہا تو ہم ہدایت والے ہو جائیں گے (۷۰)

قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُولٌ تُثِيرُ الْأَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيهَا ۚ قَالُوا الْآنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ۚ فَذَبَحُوهَا وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ ﴿٧١﴾

(موسیٰ نے کہا) اللہ کا ارشاد ہے کہ وہ گائے کام کرنے والی نہ زمین میں ہل جوتنے والی اور کھیتوں کو پانی دینے والی نہ ہو، صحیح سالم بے عیب ہو اس میں کسی طرح کا داغ نہ ہو، کہنے لگے اب آپ نے حق واضح کردیا۔ غرض انہوں نے گائے ذبح کردی، وہ حالانکہ ایسا کرنے والے نہیں تھے۔ (۷۱)

الفاظ و معانی آیت نمبر ۶۸ تا ۷۱

﴿ قَالُوا ﴾ انہوں نے کہا۔ ﴿ اُدْعُ ﴾ دعا، یَدْعُوْ، دعا کرو۔ ﴿ لَنَا ﴾ ہمارے لئے۔ ﴿ يُبَيِّن ﴾ بیَّنَ، وہ بیان کرے۔ ﴿ فَافْعَلُوا ﴾ فعل، یفعَلُ، تم کرو۔ ﴿ تُؤْمَرُونَ ﴾ تم کو حکم دیا جاتا ہے۔ ﴿ تَسُرُّ ﴾ سَرَّ، یَسُرُّ، بھاتی ہے مسرور کرتی ہے۔ ﴿ فَارِضٌ ﴾ بوڑھی، عمر رسیدہ۔ ﴿ بِكْرٌ ﴾ جوان یعنی کنواری۔ ﴿ عَوَانٌ ﴾ درمیانے عمر کی۔ ﴿ لَوْنٌ ﴾ رنگ۔ ﴿ صَفْرَاءُ ﴾ زرد رنگ۔ ﴿ فَاقِعٌ ﴾ گہرا۔ ﴿ النَّاظِرِينَ ﴾ دیکھنے والے، بطور اسم فاعل کے استعمال ہوتا ہے اس کا واحد ناظِرٌ۔ ﴿ تَشَابَهَ ﴾ اس کی طرح۔ ﴿ تُثِيرُ ﴾ ہل جوتی ہے۔ ﴿ تَسْقِي ﴾ پانی ڈالتی ہے، سیراب کرتی ہے۔ ﴿ كَادُوا ﴾ نزدیک تھے۔ ﴿ لَمُهْتَدُونَ ﴾ ہدایت یافتہ۔ ﴿ ذَلُولٌ ﴾ جوتی ہوئی۔ ﴿ الْحَرْثَ ﴾ کھیتی۔ ﴿ يَفْعَلُونَ ﴾ وہ ایسا کرتے۔

تشریح و توضیحات آیت نمبر ۶۸ تا ۷۱

ان آیات مبارکہ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ کس طرح بنی اسرائیل نے کج بحثی کی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ اپنے رب سے درخواست کرکے ہمیں بتایا جائے کہ اس گائے کی کچھ تفصیل، اس کی عمر کتنی ہے، اس کے (باقی اگلے صفحہ پر)

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ؕ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝

جب تم نے ایک شخص کو ہلاک کرڈالا اور پھر اس میں باہم اختلاف کرنے لگے لیکن جو بات تم پوشیدہ رکھ رہے تھے اللہ تعالیٰ اس کو ظاہر کرنے والا تھا۔ (۷۲)

فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ؕ كَذٰلِكَ يُحْىِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝

تو ہم نے کہا اس گائے کا ایک ٹکڑا (حصّہ) مقتول کے جسم پر لگا دو اسی طرح اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کر کے تمہیں تمہاری دانش مندی کے لئے اپنی نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم سمجھو۔ (۷۳)

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِىَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝

پھر اس کے بعد تمہارے دل پتھر جیسے گویا اس سے بھی زیادہ سخت ہوگئے اور بعض پتھر ایسے ہوتے ہیں جس سے چشمے پھوٹ نکلتے ہیں اور بعض پھٹ جاتے ہیں اور ان میں سے پانی نکل آتا ہے اور بعض اللہ تعالیٰ کے خوف سے گر پڑتے ہیں اور اللہ تمہارے اعمال سے غافل نہیں، گویا اللہ تمہارے کرتوتوں سے بے خبر نہیں۔ (۷۴)

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝

اے مسلمانو اب کیا اِن لوگوں سے اُمید رکھتے ہو کہ یہ تمہاری دعوت پر ایمان لے آئیں گے، حالانکہ ان میں ایک گُروہ کا یہ وطیرہ رہا ہے کہ کلام اللہ سنا پھر خوب سمجھ بوجھ، عقل اور علم و دانش رکھتے ہوئے اس میں تحریف کی۔ (۷۵)

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۖۚ وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝

اور جب یہ لوگ ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور جب آپس میں تنہائی میں بات چیت کرتے ہیں تو کہتے ہیں مسلمانوں کو کیوں وہ باتیں پہنچاتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں سکھائی ہیں یہ تو پروردگار کے سامنے تم پر ان کی حجت ہو جائے گی کیا تم جانتے رسمجھتے نہیں؟ (۷۶)

اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۝

کیا یہ نہیں جانتے کہ پروردگار ان کی پوشیدہ رظاہر اور عیاں ربات سب کو جانتا ہے (۷۷)

(بقیہ گذشتہ صفحہ سے آگے) حالات کیا ہیں، نوعمر ہے یا عمر رسیدہ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا سنو وہ گائے نہ تو بالکل بوڑھی، اور نہ بچھیا، بلکہ درمیانی عمر کی، نوجوان ہو، وہ گائے گہرے زرد رنگ کی ہو اور دیکھنے میں اچھی لگے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ کہ کام کرنے والی، زمین میں ہل جوتنے والی اور کھیتوں کو سیراب کرنے والی ہو۔ صحیح سالم، تندرست، توانا اور بے داغ ہو اور عیب سے

مبرا ہو۔ اور جس سے خدمت نہ لی جاتی ہو۔ بات دراصل یہ ہے کہ انہیں حکم تو یہ دیا گیا کہ ایک گائے ذبح کرو وہ کوئی سی بھی ایک گائے ذبح کرتے تو حکم اللہ کی تعمیل و تکمیل میں عمل ہو جاتا۔ لیکن انہوں نے حکم ربّی پر سیدھے طریقہ سے عمل پیرا ہونے کے بجائے اس میں اس کو ٹالنے کی غرض سے تفصیلات معلوم کرتے چلے گئے۔ جیسے جیسے سوالات کرتے رہے اللہ تعالیٰ بھی ان پر سختی کرتا چلا گیا۔ اس لئے دین میں سختی اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ الغرض بڑی مشکل سے انہوں نے اس گائے کو ذبح کیا حالانکہ وہ ایسا کرنے والے نہ لگتے تھے۔[1]

وہ گائے ایک نیک بخت شخص کی تھی۔ جو اپنی والدہ کا بہت خدمت گزار تھا وہ گائے خریدی گئی اس شرط پر کہ اس قدر مال ادا کیا جائے کہ جس قدر سونا گائے کی کھال میں بھرا جا سکے۔ پھر اس گائے کو ذبح کیا وہ ایسے دکھائی نہیں دیتے تھے۔ کہ اس قدر قیمت ادا کر کے گائے ذبح کریں گے۔

الفاظ معانی آیت نمبر ۷۲ تا ۷۷

﴿ اَفَتَطْمَعُوْنَ ﴾ طَمَعَ، یَطْمَعُ، تم کیا پھر تم طمع / لالچ رکھتے ہو۔ ﴿ فَرِیْقٌ ﴾ فریق / گروہ / طبقہ۔ ﴿ یُحَرِّفُوْنَ ﴾ حَرَّفَ، یُحَرِّفُ، حروف کو بدل دینا / تحریف و ترمیم کرنا۔ ﴿ عَقَلُوْهُ ﴾ عَقَلَ، یَعْقِلُ، انہوں نے سمجھ لیا / جان لیا۔ ﴿ خَلَا ﴾ اکیلے / تنہا ﴿ اَتُحَدِّثُوْنَ ﴾ حَدَّثَ، یُحَدِّثُ، بیان کر دیتے ہو / تم باتیں بتاتے ہو۔ ﴿ فَتَحَ ﴾ فَتَحَ، یَفْتَحُ، کھول کر واضح طور پر بیان کرنا ہے۔ ﴿ کَلٰمَ اللّٰهِ ﴾ اللہ کا کلام (کلام اللہ سے مراد تورات، زبور اور دوسری کتابیں ہیں قواعد اور گرامر کے لحاظ سے کَلَامَ) مضاف لفظ اللہ مضاف الیہ اور کلام اللّٰہ مرکب اضافی ہے۔ ﴿ لِیُحَآجُّوْا ﴾ حَاجَّ، یُحَاجُّ، تا کہ وہ حجت لائیں بحث و تکرار کریں۔ ﴿ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴾ کیا تم عقل نہیں رکھتے ہو۔

تشریح و توضیحات آیت نمبر ۷۲/۷۷

اِن آیاتِ مبارکہ میں اہل ایمان سے مخاطب ہو کر یہودیوں کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ کیا تمہیں ان کے ایمان لانے کی آس ہے حالانکہ سابقہ لوگوں میں ایک طبقہ / گروہ ایسا بھی تھا جو کلام الٰہی میں جانتے ہوئے بوجھتے ہوئے لفظی و معنوی تحریف کا مرتکب تھا۔ ایسے لوگوں سے صاحب ایمان ہونے کی قطعی امید مت رکھو۔ جو لوگ تعصبات اور دنیاوی مفادات عزیز رکھنے کی خاطر کلام الٰہی میں تحریف کرنے کی جرأت کرتے ہیں وہ گمراہی کی ایک ایسی دلدل میں پھنس جاتے ہیں کہ اس سے نکل نہیں پاتے۔

مدینہ منورہ میں وہ نو مسلم جو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر ایمان لائے تھے۔ انہوں نے اپنے ہمسایہ یہودیوں سے یہ باتیں سن رکھی تھیں کہ دنیا میں ایک ہادی برحق۔ گویا ایک پیغمبر آنے والے ہیں اور یہ کہ جو لوگ ان کا ساتھ دیں گے وہ تمام تر دنیا میں چھا جائیں گے۔ یہی وہ معلوماتی مواد تھا جس کی بناء پر اہل مدینہ نبی اکرم ﷺ کی نبوت کی خبر سن کر آپ ﷺ کی طرف (باقی اگلے صفحہ پر)

[1]: بائیبل میں بھی اس واقع کی طرف اشارہ دیا گیا ہے لیکن یہ واقع مذکور نہیں ہے کہ بنی اسرائیل نے اس حکم ربّی کو کس کس طرح ٹالنے کی کوشش کی تھی۔ (بحوالہ بائیبل۔ گنتی باب ۱۹ آیت ۱۰)

وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ﴿٧٨﴾

ان میں سے ایک گروہ ایسے اَن پڑھ لوگوں کا ہے جو کتاب کا تو علم رکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے بس اپنی اپنی بے اساس آرزوؤں اور امیدوں کو لئے اور محض وہم وگمان سے کام لیتے ہیں۔ (۷۸)

فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَٰذَا مِنْ عِندِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ فَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا يَكْسِبُونَ ﴿٧٩﴾

پس ہلاکت اور تباہی ہے اُن لوگوں کے لئے جو اپنے ہاتھوں سے لکھی ہوئی کتاب کو کہتے ہیں یہ اللہ کے پاس سے آئی ہے تا کہ اس کے بدلے دنیاوی منفعت حاصل کریں ان کے ہاتھوں کی یہ تحریر ان کے لئے تباہی کا باعث ہے ان کی یہ کمائی بھی ہلاکت کی مُوجب ہے۔ (۷۹)

وَقَالُوا لَن تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً ۚ قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِندَ اللَّهِ عَهْدًا فَلَن يُخْلِفَ اللَّهُ عَهْدَهُ ۖ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٨٠﴾

اور کہتے ہیں کہ جہنم کی آگ ہمیں چند یوم کے سوا ہرگز چھونے والی نہیں چند یوم کی سزا مل جائے تو مل جائے اُن سے دریافت کرو کیا تم نے اللہ سے عہد لے رکھا ہے اللہ اپنے وعدے کے خلاف ہرگز نہیں کرے گا، بات یہ ہے کہ تم اللہ کی طرف سے ایسی باتیں منسوب کر دیتے ہو جس کا تم کو علم نہیں ہے؟ (۸۰)

بَلَىٰ مَن كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٨١﴾

یقینی طور پر جس نے بھی برائی کے کام کئے اور اس کی نافرمانی رِبدی نے اُسے گھیر لیا وہ جہنمی ہے اور دوزخ ہی میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ (۸۱)

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٨٢﴾

اور جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح کر لئے وہ جنّتی ہیں اور جنّت میں ہمیشہ رہیں گے۔ (۸۲)

(بقیہ گذشتہ صفحہ سے آگے) متوجہ ہوئے۔ اور اسلام کی دعوت فکر و عمل کو قبول کرتے چلے گئے اب ان نو مسلموں کو اس بات کی توقع تھی جو لوگ پہلے ہی سے انبیاء اکرام اور کتب سماوی کے پیرو ہیں جس کی بدولت ہم ایمان کی دولت سے مالا مال ہوئے ہیں وہ ضرور بہ ضرور ہمارا ساتھ دیں گے۔ لیکن معاملہ اس کے برعکس ہوا اہل کتاب کے علماء و مشائخ اور بزرگ جانتے بوجھتے ایمان لانے سے گریز کرتے اس وجہ سے بنی اسرائیل کی تاریخی حقیقت اور سرگزشت کا اظہار کرنے کے بعد، سادہ دل مسلمانوں کو کہا جارہا ہے۔ کہ تم ان سے زیادہ توقعات کی امید نہ رکھو ورنہ جب ان کے پتھر دل سے تمہاری دعوتِ حق و دین ٹکرا کر واپس آئے گی تو تم افسردہ اور دل شکستہ ہو جاؤ گے یہ لوگ تو گمراہ ہوئے ہیں اور ان کو بگڑے ہوئے تو صدیاں بیت گئیں۔ ان سے حق کی آواز کو بلند رکھنے کی توقع قطعی فضول سی بات ہے، یہ تو خود فریبی کا شکار ہیں۔

حضرت محمد ﷺ پر ایمان لانے والوں سے ملاقات کرتے ہیں تو کہتے ہیں ہم بھی انہیں جانتے ہیں اور جب آپس میں ایک دوسرے سے تخلیے میں گفتگو کرتے ہیں تو کہتے ہیں کیا ناداں ہو گئے ہو۔ ان لوگوں کو وہ باتیں بتا رہے ہو اللہ نے تم پر کھولی ہیں۔ وہ تم کو اس لئے بتاتے ہیں کہ قیامت کے دن اس کے حوالے سے تمہارے اللہ کے حضور تم کو الزام دیں کیا جو تم سمجھتے نہیں!۔

گویا وہ آپس میں ایک دوسرے کو تاکید کرتے تھے کہ تورات اور دیگر کتب سماوی میں جو پیشین گوئیاں اس رسول ﷺ برحق کے

متعلق موجود ہیں۔ اور جو تعلیمات ہماری مقدس کتابوں میں مذکور ہیں اس لئے ہماری موجودہ روش اور صورت حال پر گرفت ہو سکتی ہے انہیں مسلمانوں کے سامنے بیان کرنے سے گریز کرو ورنہ یہ تمہارے اللہ کے سامنے ان کو تمہارے خلاف بطور حجت پیش کریں گے۔

آیت نمبر ۷۷ میں اللہ تعالیٰ کا واضح ارشاد ہے تم بتلاؤ یا نہ بتلاؤ! تم اظہار کرو یا نہ کرو اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کو ہر بات کا بخوبی علم ہے اور وہ ان باتوں کو تمہارے بتلائے بغیر بھی مسلمانوں پر عیاں اور ظاہر کر سکتا ہے۔

الفاظ و معانی آیت نمبر ۷۸ تا ۸۲

﴿ وَمِنۡهُمۡ ﴾ اور ان میں سے۔ ﴿ اُمِّيُّوۡنَ ﴾ اس کا واحد اُمِّیٌّ ہے ان پڑھ جو نہ کتاب پڑھ سکیں اور نہ لکھ سکیں، قواعد گرائمر میں بطور اسم استعمال ہوتا ہے۔ ﴿ اَمَانِىَّ ﴾ اس کا واحد اُمْنِيَّةٌ ہے آرزوئیں، امیدیں رتمنائیں۔ ﴿ يَظُنُّوۡنَ ﴾ ظَنَّ، یَظُنُّ، وہ گمان روہم کرتے ہیں۔ ﴿ فَوَيۡلٌ ﴾ ہلاکت رتباہی رموجب افسوس رخرابی۔ ﴿ لِيَشۡتَرُوۡا ﴾ اِشْتَرٰی، یَشْتَرِیْ، تاکہ بدلہ میں حاصل کریں۔ ﴿ كَتَبَتۡ ﴾ کَتَبَ، یَکْتُبُ، ان کے ہاتھوں نے لکھا۔ ﴿ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا ﴾ جو لوگ ایمان لائے۔ ﴿ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ﴾ نیک اور اچھے کام کئے۔ ﴿ يَكۡسِبُوۡنَ ﴾ کَسَبَ، یَکْسُبُ، وہ کماتے ہیں۔ ﴿ تَمَسَّنَا ﴾ چھونے کی رمس کرے گی ہم کو۔ ﴿ لَنۡ تَمَسَّنَا ﴾ ہرگز نہ چھوئے گی ہم کو۔ ﴿ اَتَّخَذۡتُمۡ ﴾ کیا تم نے اختیار کیا، کیا تم نے پالیا۔ ﴿ فَلَنۡ يُّخۡلِفَ ﴾ اَخْلَفَ یُخْلِفُ، ہرگز خلاف نہیں کرے گا۔ ﴿ ثَمَنًا ﴾ قیمت، بطور اسم استعمال ہوتا ہے۔ ﴿ مَّعۡدُوۡدَةً ﴾ چند گنتی کئے ہوئے۔ ﴿ تَقُوۡلُوۡنَ ﴾ قَالَ، یَقُوْلُ، تم کہتے ہو۔ ﴿ كَسَبَ ﴾ کمائی۔ ﴿ اَحَاطَتۡ ﴾ اَحَاطَ، یُحِیْطُ، احاطہ کرلیا رگھیرا کرلیا۔ ﴿ سَيِّئَةً ﴾ بدی ربُرائی۔ ﴿ خَطِيۡٓـــَٔتُهٗ ﴾ گناہ رقصور رخطا رغلطی ربطور اسم استعمال ہوتا ہے۔ ﴿ خٰلِدُوۡنَ ﴾ اس کا واحد خَالِدٌ، ہمیشہ رہنے والے اسم فاعل ہے۔

تشریح و توضیحات آیت نمبر ۷۸ تا ۸۲

اِن آیتِ مبارکہ میں اظہار بیان یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک دوسرا طبقہ رگروہ اُمّیوں کا ہے جو کتاب سماوی کا تو علم رکھتے نہیں بس اپنی بے اساس آرزوؤں اور امیدوں کو سمیٹے بیٹھے ہیں اور محض وہم و گمان کی طرف رواں دواں ہیں۔ نشاندہی کی جارہی ہے ایسے لوگوں کے لئے ہلاکت اور تباہی ہے ان کے ان پڑھ لوگ تورات سے تو قطعی بے رلاعلم ہیں لیکن ان کے علماء نے اس وہم و گمان میں مبتلا کردیا ہے کہ ہم تو اللہ تعالیٰ کے محبت رپسندیدہ ہیں اور اگر ہم دوزخ میں گئے بھی تو چند یوم کے لئے اور ہمارے اسلاف ہمیں بخشوالیں گے بات تو اصل یہ ہے کہ یہ یہود علماء کی جسارت اور خوف خدا سے بے نیازی کی علامت اور وضاحت ہے یہ اپنے ہاتھوں کی لکھی ہوئی تحریر اور اپنے مفروضات اور اپنی مرضی ومنشاء کے مطابق گھڑی ہوئی باتوں کو دین سمجھ بیٹھے تھے۔ اور کذب اور جھوٹی توقعات پر زندہ تھے۔ اصل بات تو یہ ہے کہ علم کتاب سے قطعی ناواقف تھے کچھ علم نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں دین کے کیا اصول واضح طور پر بتائے ہیں۔ اخلاق اور شرع کے کیا ضابطے اور کلیے بتائے ہیں اور انسان کی صلاح وفلاح، خیر وشر کا مدار کن باتوں پر ہے۔

ذرا غور تو کیجئے اپنے ہاتھوں سے شرع کا توشہ تحریر کرتے ہیں اس پر یہ دعویٰ کہ یہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے آیا ہوا ہے۔اس طرح دنیاوی منفعت حاصل کرتے ہیں ان کے ہاتھوں کا لکھا بھی موجب ہلاکت ہے اور یہی کمائی بھی مُوجب ہلاکت ہے۔

آیت نمبر ۷۹ میں وَوَیْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا یَكْسِبُوْنَ . ان کی کمائی کو وَیْلٌ سے تعبیر کیا گیا ہے حدیثِ مبارکہ کے مطالعہ سے اس بات کا علم ہوتا ہے کہ وَیْلٌ جہنم میں ایک وادی ہے۔جس کی گہرائی اس قدر ہے کہ ایک کافر کو اس کی تہ تک گرنے میں چالیس برس کا عرصہ درکار ہے (بحوالہ ترمذی شریف، احمد، ابن حبان، الحاکم و فتح القدیر)

اِلَّا اَیَّامًا مَّعْدُوْدَةً ۔ان لوگوں کا کہنا ہے، ہم تو صرف چند دن جہنّم میں رہیں گے یہ بات قابل غور ہے کہ یہود کہتے تھے کہ دنیا کی کُل عمر سات ہزار (۷۰۰۰) سال ہے اور ہم ہر برس کے بدلے ایک یوم دوزخ میں رہیں گے، گویا اس حساب سے صرف سات روز دوزخ میں رہیں گے۔بعض اس خیال کے حامی ہیں کہ ہم نے چالیس (۴۰) دن بچھڑے کی عبادت کی تھی تو اس حساب سے ہم چالیس (۴۰) دن دوزخ میں رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''کیا تم نے اللہ تعالیٰ سے عہد لیا ہے؟'' یہ غلط کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس قسم کا کوئی عہد و پیمان نہیں ہے۔تمہارا یہ گمان کہ اگر ہم دوزخ میں گئے تو صرف چند یوم کے لئے یہ تمہاری اپنی منطق ہے اس طرح تم اللہ کے ذمے ایسی باتیں منسوب کرتے ہو جس کا تمہیں بھی علم نہیں ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنا اصول وضاحت سے بیان کر رہا ہے۔جس کی رو سے یومِ قیامت، اللہ تعالیٰ نیک کو نیکی کا صلہ/جزا، اور بد کو اس کے بُرے عمل/اعمال بد کی سزا دے گا۔

آیت نمبر ۸۲ میں یہود کے دعوؤں کی تردید کرتے ہوئے جنت و دوزخ جانے کا اصول بیان کیا جا رہا ہے۔ جو کُفر و شرک کا اِرْتِکاب کریں گے یعنی جن کے نامۂ اعمال میں برائیاں ہی برائیاں ہوں گی اگر اہل کفر و شرک بعض اچھے عمل بھی کئے ہوں گے تو اِن کی کوئی حیثیت نہیں ہوگی وہ ہمیشہ کے لئے جہنمی ہیں اور جو ایمان اور عمل صالح پر گامزن ہوں گے ان کو جنّت کی بشارت ہے البتہ جو مومن گناہ کے مرتکب ہوں گے ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہوگا۔اللہ تعالیٰ اپنی مرضی سے اور اپنے فضل و کرم سے ان کے گناہ معاف فرما کر یا بطور سزا کچھ عرصہ جہنم میں رکھنے کے بعد شافع محشر نبی کریم ﷺ کی شفاعت سے ان کو بہشت میں داخل کرے گا۔ یہ تمام باتیں صحیح اَحادیث سے ثابت ہیں اور اہلِ سنت کا عقیدہ ہے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۸۳﴾

اور جب ہم نے اسرائیل کی اولاد سے ایفائے عہد لیا کہ تم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنا، اسی طرح رشتہ داروں یتیموں اور محتاجوں کے ساتھ بھلائی کرتے رہنا لوگوں سے اچھی باتیں کہنا، نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرتے رہنا، لیکن چند لوگوں کے سوا تم سب اس عہد سے پھر گئے اور منہ موڑ لیا۔ (۸۳)

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۸۴﴾

اور جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا آپس میں قتل نہ کرنا (کشت وخون نہ کرنا) اور اپنے آپ کو ان کے وطن سے جلاوطن نہ کرنا تو تم نے اقرار کیا اور تم اس کے گواہ بنے۔ (۸۴)

ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۵﴾

لیکن پھر بھی تم نے آپس میں قتل کیا اور اپنے میں سے بعض لوگوں پر اور ظلم کے ساتھ چڑھائی کر کے انہیں جلاوطن بھی کیا اور ہاں جب وہ مقید ہو کر تمہارے پاس آئے تو تم نے ان کے فدیئے دیئے۔ ان کا نکال دینا تم پر حرام تھا، تم نے ان کا کچھ خیال ہی نہ کیا کیا بات ہے؟ بعض کتاب کے احکام کو مانتے ہو اور بعض کے ساتھ کفر کرتے ہو تم میں سے جو بھی ایسا کرے اُن کی سزا اس کے سوا کیا ہو سکتی ہے کہ دنیا کی زندگی میں ذلت اور روز قیامت سخت ترین عذاب ہے اور جو کام تم کرتے ہو اللہ جل شانہ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں۔ (۸۵)

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۸۶﴾

یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی خرید لی ہے اس لئے نہ ان کی سزا میں کمی ہوگی اور نہ انہیں مدد پہنچ سکے گی (۸۶)

الفاظ معانی آیت ۸۳ تا ۸۶

﴿ اَخَذْنَا ﴾ اَخَذَ، یَاْخُذُ، ہم نے لیا ﴿ مِيْثَاقَ ﴾ عہد/وعدہ۔ ﴿ لَا تَعْبُدُوْنَ ﴾ عَبَدَ، یَعْبُدُ، تم عبادت نہیں کرو گے۔ ﴿ قُوْلُوْا ﴾ بات کرو/گفتگو کرو۔ ﴿ اَقِيْمُوا ﴾ اَقَامَ، یُقِیْمُ، قائم کرو۔ ﴿ اٰتُوْا ﴾ تم دو/ادا کرو۔ ﴿ اِحْسَانًا ﴾ احسان کرنا۔ ﴿ ذِى الْقُرْبٰى ﴾ رشتہ دار۔ ﴿ الْيَتٰمٰى ﴾ یَتِیْمٌ، اس کا واحد ہے یتیم۔ ﴿ الْمَسٰكِيْنِ ﴾ اس کا واحد ہے مِسْکِیْنٌ، نادار/مُفلِس لوگ۔ ﴿ حُسْنًا ﴾ نیکی/اچھائی۔ ﴿ مُعْرِضُوْنَ ﴾ پھرنے والے قواعد/گرائمر کے لحاظ سے اسمِ فاعل ہے۔ ﴿ لَا تَسْفِكُوْنَ ﴾ سَفَکَ، یَسْفِکُ، تم نہ بہاؤ گے۔ ﴿ دِمَآءَ ﴾ خون/لہو۔ ﴿ لَا ﴾ نہیں۔ ﴿ تُخْرِجُوْنَ ﴾ اَخْرَجَ، یُخْرِجُ، نکالو گے۔ ﴿ تَقْتُلُوْنَ ﴾ قَتَلَ، یَقْتُلُ۔ تم مارتے ہو/قتل کرتے ہو۔

﴿ تَظٰهَرُوْنَ ﴾ تَظَاهَرَ، يَتَظَاهَرُ، تم آپس میں معاونت کرتے ہو، جتھے بندیاں کرتے ہو، چڑھائی کرتے ہو۔ ﴿ هٰٓؤُلَآءِ ﴾ یہ سب تمام۔ ﴿ دِيَارِ ﴾ دَارٌ کی جمع، گھر، شہر۔ ﴿ بِالْاِثْمِ ﴾ گناہ کے ساتھ۔ ﴿ تُفٰدُوْ ﴾ تم فدیہ ادا کر کے چھڑاتے ہو۔ ﴿ اَفَتُؤْمِنُوْنَ ﴾ اٰمَنَ، يُؤْمِنُ، تم ایمان لاتے ہو۔ ﴿ يَفْعَلُ ﴾ وہ کرتا ہے۔ ﴿ يُرَدُّوْنَ ﴾ رَدَّ، يَرُدُّ، وہ لوٹا دیئے جائیں گے۔ ﴿ اَلْعُدْوَانِ ﴾ ظلم، زیادتی۔ ﴿ اُسٰرٰى ﴾ اس کا واحد اَسِيْرٌ، قیدی۔ ﴿ مُحَرَّمٌ ﴾ منع کیا ہوا، حرام کیا ہوا۔ ﴿ جَزَآءُ ﴾ صلہ، سزا۔ ﴿ خِزْيٌ ﴾ رسوائی، تذلیل۔ ﴿ اَشَدِّ الْعَذَابِ ﴾ سخت ترین عذاب۔ ﴿ تَعْمَلُوْنَ ﴾ عَمِلَ، يَعْمَلُ، تم کرتے ہو۔ ﴿ يُخَفَّفُ ﴾ خَفَّفَ، کمی، ہلکا کرنا۔ ﴿ لَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴾ نَصَرَ، يَنْصُرُ، نہ ان کی مدد کی جائے گی۔

تشریحات وتوضیحات آیت ۸۳ تا ۸۶

اِن آیاتِ مبارکہ میں وہ وعدہ یاد دلایا جا رہا ہے جو بنی اسرائیل سے کیا گیا۔ اس عہد میں پہلے تو صرف اور صرف ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کی تاکید ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کی پرستش نہ کرنا۔ یہ بات واضح ہے کہ ہر نبی کی اولین اور بنیادی دعوت یہی رہی ہے قرآن مجید کی دیگر آیات سے یہ بات واضح ہے۔ جیسا کہ سورۃ انبیاء پارہ نمبر ۱۷ اِقْتَرَبَ میں ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ۔ ۲۵

اور آپ سے پہلے جو رسول ہم نے بھیجا اس کی طرف یہی وحی نازل ہوئی کہ میرے سوا کوئی معبود برحق نہیں، پس تم سب میری ہی عبادت کرو۔ آیت نمبر ۲۵

جس طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت لازمی ہے اسی طرح والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم ہے اور اس میں قطعی کوتاہی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس کے بعد عزیز و اقارب، یتیموں اور مساکین کے ساتھ عمدہ برتاؤ اور حسن سلوک کا حکم اور تاکید ہے اس کے بعد اقیمو الصلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کا حکم بھی دیا گیا اسلامی تعلیمات کے دائرہ کار میں یہ دونوں عبادتیں بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ یہ بات اپنی جگہ اہمیت کی حامل ہے کہ ان میں سے کسی ایک کے انکار، یا اس سے اعتراض کو کفر کے مترادف جانا گیا۔ تاریخ اسلام کے آئینہ میں خلیفہ اوّل، نائب رسول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں زکوٰۃ نہ ادا کرنے والوں کے خلاف جہاد کرنے کی تلقین کی گئی۔

آیت نمبر ۸۵ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ آج وہی تم ہو کہ اپنوں کو قتل بھی کر دیتے ہو اور اپنی برادری کے کچھ لوگوں کو بے خانماں کر دیتے ہو۔ اور ظلم اور زیادتی کر کے انہیں وطن سے بے دخل کر دیتے ہو۔ اور جب جنگ میں وہ مقیّد ہو تمہارے پاس آتے ہیں تو ان کی رہائی کے لئے فدیہ طلب کرتے ہو حالانکہ انہیں بے گھر کرنا ہی سرے سے تم پر حرام تھا۔ کیا تم کتاب (تورات) کے ایک حصے پر ایمان رکھتے ہو اور دوسرے حصّے کے انکاری ہونے کا ثبوت دیتے ہو۔ حالانکہ شریعت کے تمام احکامات پر عمل ضروری ہے جو لوگ ایسا کرنے کے مرتکب ہوتے ہیں ان کی سزا اس کے سوا کیا ہے کہ دنیا کی زندگی میں رسوائی ان کا مقدر ہے اور آخرت میں ان کے لئے دردناک اور سخت ترین عذاب ہے اللہ تعالیٰ تمہاری ان حرکات اور سکنات سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔

اس بات کی یہاں وضاحت ضروری ہے کہ حضرت محمد ﷺ کے زمانے میں انصار جو اسلام سے پہلے مُشرک تھے۔ ان کے دو قبیلے تھے ایک اوس، اور دوسرا خزرج ان میں باہمی آئے دن لڑائی ہوتی رہتی تھی اس طرح سے یثرب (مدینہ منوّرہ) (بقیہ آگے)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ۡ
وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ
اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ
اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ۡ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ﴿۸۷﴾

اور ہم نے حضرت موسیٰؑ کو کتاب دی اور ان کے پیچھے (پے در پے) رسول بھیجے کئے اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو روشن اور کھلے نشانات، معجزے بخشے اور جبرائیلؑ سے اُن کی تائید کرائی جب کبھی تمہارے پاس حضرت جبرائیلؑ وہ چیزیں لائے جن کو تمہارا من ردل نہیں چاہتا تھا تو تم نے سرکشی اختیار کی، پس بعض کی تم نے تکذیب کی اور بعض کو قتل بھی کر ڈالا۔ (۸۷)

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ
فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾

اور انہوں نے کہا کہ ہمارے قلب غلاف میں محفوظ ہیں (ہمارے دلوں پر پردے پڑے ہیں) نہیں نہیں بلکہ اُن کے کُفر کی وجہ سے باری تعالیٰ نے انہیں ملعون کر دیا ہے اُن کا ایمان بہت ہی تھوڑا (کم) ہے۔ (۸۸)

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ
وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ
فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۡ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ
عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾

اور جب اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کے پاس کتاب آئی جو اُن کی کتاب، سماوی کی بھی تصدیق کرتی ہے حالانکہ وہ پہلے کافروں پر فتح چاہتے تھے اور جس چیز کو وہ پہچانتے تھے جب ان کے پاس آ پہنچی تو اس کے لئے کُفر کرنے لگے، پس کافروں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔ (۸۹)

(گذشتہ صفحہ سے آگے) کے یہودی تین (۳) قبائل پر مشتمل تھے۔ (۱) بنوقینقاع (۲) بنونضیر، بنی نضیر ہجرت سے پہلے جلا وطن ہو گئے۔ (۳) بنوقریظہ (۳ھ میں مارے گئے ایک روز میں سات سو آدمی قتل ہوئے) ان کی آپس میں جنگ بھی ہوتی رہتی تھی۔ بنوقریظہ اوس کے ساتھی اور بنی قینقاع، بنونضیر بنوخزرج کے ساتھی لڑائی میں یہ اپنے ساتھیوں کی مدد کرتے اور اپنے ہی ہم مذہب یہودیوں کو قتل کر ڈالتے۔ ان کے گھروں میں لوٹ مار کرتے اور وطن سے بے دخل کر دیتے۔ گو کہ تورات کے حکم کے مطابق ایسا کرنا ان کے لئے حرام تھا جب وہ مقید ہو جاتے تو فدیہ ادا کر کے چھڑاتے ان کا دعویٰ یہ تھا کہ ہمیں تو تورات میں یہی حکم دیا گیا ہے یہودیوں کا یہی طرزِ عمل بیان کیا گیا ہے کہ وہ بعض امور پر ایمان لاتے اور بعض کو ترک کرتے۔

آیت نمبر ۸۶ میں اظہار بیان یہ ہے کہ جن لوگوں کو دنیاوی زندگی متاعِ عزیز لگتی ہے اور جنہوں نے آخرت کے صلے میں دنیا کی زندگی کا سودا کر لیا ہے اس سے نہ تو عذاب میں تخفیف ہوگی اور نہ ان کو کسی اور طرح سے باہم مدد ملے گی۔

الفاظ و معانی آیت نمبر ۸۷ تا ۸۹

﴿ وَلَقَدْ ﴾ اور یقینی طور پر۔ ﴿ اٰتَيْنَا ﴾ ہم نے عطا کی۔ ﴿ مِنْۢ بَعْدِهٖ ﴾ اس کے بعد، قواعد کے لحاظ سے اسم ہے۔ ﴿ قَفَّيْنَا ﴾ ہم نے ان کے پیچھے بھیجا۔ ﴿ الْبَيِّنٰتِ ﴾ اس کا واحد بَيِّنَةٌ ہے، روشن دلیل۔ ﴿ اَيَّدْنٰهُ ﴾ اَيَدَ، يُؤَيِّدُ، ہم نے اس کی تائید کی، مدد کی ﴿ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ﴾ اس کا مفہوم یہ ہے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے بعد مسلسل نبی اور رسول آتے رہے، یہاں تک کہ بنی اسرائیل میں انبیاء کا یہ سلسلہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ختم ہوا۔ ﴿ الْبَيِّنٰتِ ﴾ بَيِّنَاتٌ سے مراد معجزات کا (بقیہ آگے)

سلسلہ ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوئے جیسے مردوں کو زندہ کرنا، اندھے اور کوڑھی کو صحت عطا کرنا، شفا دینا۔ رُوْحُ الْقُدُسِ سے مراد حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں ان کو رُوحُ القُدس سے اس لئے کہا گیا کہ وہ اَمرِ تکوینی سے ظہور پذیر ہوئے تھے جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو روح کہا گیا اور القدس ذات الٰہی مراد ہے (بحوالہ ابن جریر)

ایک اور آیتِ مبارکہ میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کو اَلرُّوْحُ الْاَمِیْنُ کہا گیا ہے۔ حدیث مبارکہ میں ہے وَجِبْرِیْلُ مَعَکَ جبریل علیہ السلام تمہارے ساتھ ہیں اس سے معلوم ہوا کہ رُوحُ القُدس سے مراد جبریل ہیں (بحوالہ فتح البیان، ابن کثیر) ﴿ لَا تَهْوٰٓى ﴾ تمہارے قلب نہیں چاہتے ﴿ اسْتَكْبَرْتُمْ ﴾ اِستَکبَرَ، یَستَکبِرُ تم نے غرور کیا۔ ﴿ كَذَّبْتُمْ ﴾ کَذَّبَ، یُکَذِّبُ، تم نے جھٹلایا ﴿ لَعَنَ ﴾ یَلعَنُ، لعنت کی۔ ﴿ يَسْتَفْتِحُوْنَ ﴾ اِستَفتَحَ یَستَفتِحُ، وہ فتح طلب کرتے تھے۔ ﴿ عَرَفُوْا ﴾ عَرَفَ، یَعْرِفُ، انہوں نے پہچان کی۔

تشریح وتوضیحات آیت نمبر ۸۷/۸۹

اِن آیاتِ مبارکہ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کتاب عطا فرمائی اور اس کے بعد یکے بعد دیگر رسول آئے بالآخر عیسیٰ ابن مریم کو روشن نشانیاں عطا کر کے بھیجا گیا اور حضرت سیدنا جبریل علیہ السلام سے اس کی تائید کرائی۔ لیکن یہ تمہارا ڈھنگ ہے کہ جب بھی کوئی رسول تمہاری خواہش نفس اور طبیعت کے خلاف کوئی چیز تمہارے پاس لے آیا تم نے اس کے مقابلے میں سرکشی اختیار کی۔ تکبّر کیا بعض کی تکذیب کی اور بعض کو قتل بھی کر ڈالا۔

بنی اسرائیل ہمیشہ کی طرح سچائی کے منکر رہے اسی طرح اب بھی انکاری ہیں اور کینہ وبُغض میں سرگرم عمل ہیں۔ کون نہیں جانتا قبولیتِ حق اور تقلید کے جمود میں بڑا واضح فرق ہے لیکن علماء یہود ایسے ہی جمود میں مبتلا ہیں اور اس کو اعتقاد کی پختگی اور خوبی جان کر اس پر فخر کرتے ہیں انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جھٹلایا اور حضرت زکریا علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کو قتل کیا۔ اور یہ کہتے ہیں کہ ہمارے دل خلاف والے ہیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ اُن کے کُفر کی وجہ سے ان پر اللہ جل شانہٗ کی پھٹکار ہے۔ دلوں پر حق بات کی تاثیر نہ ہونا کوئی فخر کی بات نہیں ہے پس ان کا ایمان بھی تھوڑا ہے یا یوں کہیے ان میں ایمان لانے والے کم ہی لوگ ہوں گے۔ اسی خیال کا اظہار پارہ نمبر ۲۴ فَمَنْ اَظْلَمُ، سورۂ حٰمٓ السَّجْدَۃ آیت نمبر ۵ میں بتایا گیا ہے۔

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِیْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِیْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ۔

اور انہوں نے کہا جس کی طرف ہمیں دعوت دی جا رہی ہے ہمارے دل تو پردے میں ہیں اور ہمارے کانوں میں گرانی ہے۔

جس طرح انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جھٹلایا اسی طرح کہا جا رہا ہے۔ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ اے محمد ﷺ تمہاری رآپ کی باتوں کا ہم پر کوئی اثر نہیں ہوتا گویا ہمارے دل اس بات سے پردوں میں ہیں کہ ہم تیری توحید وایمان کی دعوت کو سمجھ سکیں۔

اور اب اُن پر ایک کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی جو ان کی کتابوں کو سچا کرنے والی آئی۔ اس کتاب کی آمد سے پہلے وہ خود کفار کے مقابلے میں فتح ونصرت کی دعائیں طلب کرتے تھے۔ یہ بات یاد رہے کہ حضرت محمد ﷺ کے ظہور سے قبل یہودی بے قراری اور شدت کے ساتھ اس نبی اکرم ﷺ کے منتظر تھے جس کی بعثت کی خبر ان کے اَنبیاء نے کی تھی یہودی تمنا (دعا) (بقیہ آگے)

بِئۡسَمَا اشۡتَرَوۡا بِهٖۤ اَنۡفُسَهُمۡ اَنۡ يَّكۡفُرُوۡا بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ بَغۡيًا اَنۡ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ عَلٰى مَنۡ يَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖ‌ۚ فَبَآءُوۡ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ‌ؕ وَلِلۡكٰفِرِيۡنَ عَذَابٌ مُّهِيۡنٌ۝

بہت بری ہے وہ شے جس کے عوض انہوں نے اپنے آپ کو فروخت کر دیا وہ اُن کا کفر کرنا ہے یعنی اس جلن سے کہ اللہ جل شانہٗ اپنا فضل اپنے بندوں پر جس پر چاہتا ہے اپنی عنایت سے نازل فرماتا ہے اللہ جل شانہٗ کی نازل کی ہوئی کتاب سے کفر کرنے لگے لہٰذا غضب بالائے غضب میں مبتلا ہو گئے اور ایسے کافروں کے لئے سخت ذلت آمیز عذاب مقرر ہے۔ (۹۰)

وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ اٰمِنُوۡا بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ قَالُوۡا نُؤۡمِنُ بِمَاۤ اُنۡزِلَ عَلَيۡنَا وَيَكۡفُرُوۡنَ بِمَا وَرَآءَهٗ وَهُوَ الۡحَـقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمۡ‌ؕ قُلۡ فَلِمَ تَقۡتُلُوۡنَ اَنۡۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنۡ قَبۡلُ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ۝

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو (کتاب) اللہ جل شانہٗ نے اب نازل کی ہے اس کو تسلیم کرو تو کہتے ہیں ہم پر جو کتاب پہلے نازل ہو چکی ہے ہم تو اسی کو تسلیم کرتے ہیں اس کے سوا کسی اور کتاب کو نہیں مانتے، حالانکہ وہ بالکل سچی ہے اور جو اُن کی آسمانی کتاب ہے اس کی بھی تصدیق کرتی ہے اچھا تو ان سے یہ پوچھو اگر تمہارا ایمان پہلی کتابوں پر ہے تو پھر تم نے اگلے پیغمبروں انبیاء کو کیوں قتل کیا۔ (۹۱)

وَلَقَدۡ جَآءَكُمۡ مُّوۡسٰى بِالۡبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذۡتُمُ الۡعِجۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ وَاَنۡتُمۡ ظٰلِمُوۡنَ۝

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام تمہارے پاس روشن دلیلیں رکھلے ہوئے معجزات لے کر آئے لیکن تم نے پھر بچھڑے کی پرستش کی (ان کے کوہ طور پر جانے کے بعد) تم تو ہو ہی ظالم۔ (۹۲)

کرتے تھے کہ جلد وہ نبی آئے تو کفار کا غلبہ ختم ہو جائے اور ہمارے عروج کا زمانہ آئے اور جب یہ یہود مُشرکین سے شکست کھا جاتے تھے تو دعا کرتے یا اللہ نبی آخر الزماں ﷺ کو جلد مبعوث فرما۔ یہودی کافروں کو اطلاع دیتے کہ عنقریب نبی کی بعثت ہوگی۔ (بحوالہ فتح القدیر)

مگر یہ بات عجیب ہے کہ وہی یہودی جو آنے والے نبی کے منتظر تھے حضور ﷺ کے آنے کے بعد آپ ﷺ کے مخالف ہو گئے۔ اور جو یہ کہا کہ وہ اس کو پہچان بھی گئے تھے تو اس کے کئی ثبوت اس زمانے میں مل گئے کہ سب سے بڑی شہادت اُم المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی ہے۔ جو خود ایک جَید یہودی عالم کی بیٹی اور دوسرے مشہور عالم کی بھتیجی تھیں۔ ان کا فرمان ہے کہ جب حضرت محمد ﷺ مدینہ تشریف لائے تو میرے والد اور چچا دونوں آپ ﷺ سے شرف ملاقات کرنے آئے۔ اور کافی دیر آقا ﷺ سے گفتگو کی (بحوالہ ابن ہشام جلد دوم) گویا پہچان لینے کے بعد کفر کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو کفار پر۔

الفاظ و معانی آیت نمبر ۹۰ تا ۹۲

﴿ بِئۡسَمَا ﴾ (بِئۡسَ ،مَا) جو کچھ ہے بری شے ہے۔ بِئۡسَ قواعد گرائمر کے لحاظ سے ماضی جامد ہے جو مذمّت کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ ﴿ يُّنَزِّلَ ﴾ نَزَّلَ يُنَزِّلُ کہ نازل کرتا ہے۔ ﴿ بَغۡيًا ﴾ سرکشی ربغاوت کے سبب۔ ﴿ فَضۡلِهٖ ﴾ مہربانی عنایت۔ ﴿ يَّشَآءُ ﴾ چاہتا ہے قواعد کے لحاظ سے مضارع واحد مذکر غائب ہے۔ ﴿ اٰمِنُوۡا ﴾ تم ایمان لاؤ۔

﴿ اُنْزِلَ ﴾ نازل کیا گیا/اتارا گیا، قواعد کے لحاظ سے ماضی مجہول واحد مذکر غائب۔﴿ یَکْفُرُوْنَ ﴾ انکار کرتے ہیں۔
﴿ مُصَدِّقًا ﴾ تصدیق کرنے والی ہے۔﴿ لَقَدْ ﴾ (لَ،قَدْ) بے شک، لَ حرف تاکید ہے اور قَدْ تحقیق کے لئے آیا ہے۔
﴿ بِالْبَیِّنٰتِ ﴾ روشن دلیلوں اور نشانیوں کے ساتھ۔﴿ ظٰلِمُوْنَ ﴾ ظالم کرنے والے۔

تشریح وتوضیحات آیت نمبر ۹۰ تا ۹۲

اِن آیاتِ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ عام طور پر یہ حقیقت واضح ہے کہ قبول حق میں مانع جماعتی یا شخصی اور نسلی حسد سے ہوتا ہے تصور کیا جاتا ہے کہ مذاہب یا گروہ بندی کی عالم گیر گمراہی کا ایک سبب یہ ہے کہ جب ان کو دین حق کی بنیادی اور اساسی تعلیمات پر اتحاد واتفاق کی دعوت دی جاتی ہے تو نسلی منافرت اور حَسد وفَساد پھیلانے والے کہتے ہیں۔ ہمارے پاس ہمارا دین اور طریقہ موجود ہے ہمیں کسی نئی چیز کی چنداں ضرورت نہیں۔ حالانکہ وہ جس طریقہ یا دین کو اپنا دین بتلارہے ہیں کیا وہ اس پر عمل پیرا ہیں ایسا نہیں ہے؟ اس لئے قرآن میں صریحاً وضاحت کے ساتھ بیان ہے کہ دین سب کے لئے ایک ہے اور قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ وہ دین نیا نہیں ہے بلکہ اسی دین پر جس کا ہر گروہ اقراری ہے سچّے اعتقاد اور عمل پیرا ہونے کی دعوت ہے۔

یہود نے یہ بُرا سودا کیا کہ اللہ تعالیٰ کے نبی اور اس کی کتاب کے منکر ہوگئے یہود کی آرزو تو یہ تھی کہ خَتمِ نبوّت کا مَنصَب بنی اسرائیل میں سے کسی کے پاس ہوتا لیکن ہوا یوں کہ وہ اس سعادت سے محروم رہے۔ بنی اسمٰعیل نوازے گئے تو حَسد، بُغض اور ضد کی بناء پر پیغمبر وقت سے انحراف کیا۔ بات یہ ہے کہ حسد حرام اور محرومیوں کا مُوجب ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اپنے جس بندے پہ چاہے وحی کا نزول کرے۔ عَــذَابٌ مُّھِیْــن ۔ ذِلّت آمیز اور اہانت والا عذاب کافروں کے لئے ہے اس سے اس بات کا بھی علم ہوا کہ ہر عذاب تَذلیل کے لئے نہیں ہوتا۔ بلکہ مسلمانوں کو ان کی معصیت پر عذاب ہوگا۔ سو وہ گناہوں سے پاک ہونے کے لئے ہوگا۔ البتہ کُفار کو بغرض تذلیل سخت عذاب دیا جائے گا۔

آیت نمبر ۹۱ میں بتایا گیا ہے۔ کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس کو مانو جس کو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے تو کہتے ہیں ہم مانتے ہیں جو ہم پہ نازل ہوا۔ گویا سوائے تورات کے اور کتابوں کا صاف صاف انکار کرتے ہیں۔ انجیل اور قُرآن کو تسلیم نہیں کرتے۔ حالانکہ وہ کتابیں بھی سچی، حق اور تورات کی تصدیق کرنے والی ہیں۔ تاکید کی جارہی ہے کہ اگر تمہارا تورات پر ایمان ہے تو پھر تم نے انبیاءؑ کو کیوں قتل کیا۔ تورات میں تو یہ حکم درج ہے کہ جو نبی تورات کو سچا کہنے والا ہو۔ اس کی تائید اور حمایت کرنا اور اس پر ضرور بہ ضرور ایمان لانا۔ لیکن تم نے ان انبیاءؑ کو قتل بھی کیا تو تمہارا تورات پر دعوٰی درست نہیں ابھی تمہارا انکار حَسد اور عِناد پر مشتمل ہے

آیت نمبر ۹۲ میں بیان ہے کہ تمہارے پاس تو موسیٰ علیہ السلام بھی[1] روشن نشانیاں لے کر آئے لیکن خود انہوں نے کھلے کھلے معجزے تم کو دکھائے جیسے عصا، ید بیضا، اور دریا کا پھاڑنا مگر جب وہ چند یوم کے لئے کوہ طور پر تشریف لے گئے تو اتنے ہی میں تم نے گوسالہ پرستی اختیار کرلی اور بچھڑے کو خدا بنالیا۔ گو کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام اپنے درجہ نبوّت پر قائم زندہ تھے تو اس وقت شریعت موسوی پر تمہارا ایمان کہاں تھا اور بُغض وعِناد سے آج شریعتِ موسیٰ کو ایسا پکڑ رکھا ہے کہ خدا کا حکم بھی نہیں سنتے۔ بے شک تم ہو ہی ظالم۔

---

[1]: موسیٰ بنی اسرائیل کو مشہور پیغمبر ہیں۔ ان کی والدہ کا نام یوحانث اور والد کا نام عمران تھا۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ۭ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا ۭ قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ۤ وَاُشْرِبُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ۭ قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۳﴾

جب ہم نے پیمان وعدہ لیا اور تم پر کوہِ طور کو کھڑا کر دیا اور کہہ دیا تاکید کے ساتھ کہ ہماری دی ہوئی چیز کو مضبوطی سے تھامو اور کان لگا کر سنو تو انہوں نے کہا کہ ہم نے سنا اور نافرمانی کی ان کے کفر کی وجہ سے گوسالہ کی محبت ان کے دلوں میں پلائی گئی یا رچ بس گئی تھی ان سے کہہ دیجئے کہ اگر تم اہلِ ایمان ہو تو یہ عجیب ایمان ہے جو تم کو بُری بات بتاتا ہے۔ (۹۳)

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۴﴾

آپؐ کہہ دیجئے اگر آخرت کا گھر صرف تمہارے ہی لئے مخصوص ہے اللہ جل شانہٗ کے نزدیک اور کسی کے لئے نہیں تو آؤ اپنی صداقت رسچائی کے ثبوت میں موت کی آرزو کرو یعنی موت طلب کرو۔ (۹۴)

وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۵﴾

لیکن اپنے کرتوتوں اور ان اعمال کے سبب جو ان کے ہاتھ بھیج چکے ہیں کبھی موت نہیں مانگیں گے اور اللہ جل شانہٗ ظالموں سے خوب واقف ہے۔ (۹۵)

الفاظ و معانی آیت نمبر ۹۳ تا ۹۵

﴿ مِيْثَاقَكُمْ ﴾ میثاق ر پختہ عہد روعدہ تمہارا وعدہ۔ ﴿ رَفَعْنَا ﴾ ہم نے اونچا کیا ربلند کیا۔ ﴿ فَوْقَكُمْ ﴾ تمہارے اوپر۔ ﴿ بِقُوَّةٍ ﴾ مضبوطی سے۔ ﴿ اِسْمَعُوْا ﴾ سَمِعَ، یَسْمَعُ، سنو۔ ﴿ عَصَيْنَا ﴾ عَصٰی، یَعْصِی، ہم نے نافرمانی کی رقواعد کے لحاظ سے ماضی جمع متکلم ہے۔ ﴿ اُشْرِبُوْا ﴾ اَشْرَبَ، یُشْرِبُ، پلایا گیا، رچ بس گیا۔ ﴿ يَاْمُرُ ﴾ وہ حکم کرتا ہے، قواعد کے لحاظ سے مضارع واحد غائب مذکر۔ ﴿ اَلدَّارُ ﴾ گھر۔ ﴿ خَالِصَةً ﴾ خاص۔ ﴿ مِنْ دُوْنِ ﴾ سوائے۔ ﴿ فَتَمَنَّوُا ﴾ آرزو کرو رجمع مذکر حاضر ہے قواعد کے لحاظ سے۔ ﴿ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ ﴾ وہ ہرگز آرزو رتمنا نہیں کریں گے ﴿ قَدَّمَتْ ﴾ آگے بھیجا۔

تشریح و توضیحات آیت نمبر ۹۳ تا ۹۵

اِن آیاتِ مبارکہ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ جن کے دل میں نجات آخرت کا سچا عقیدہ مُوجزن ہے وہ موت سے کبھی نہیں ڈرتے۔ اور دنیاوی زندگی کی حرص وطلب کے پجاری بھی نہیں ہو سکتے۔ بنی اسرائیل میں دنیا پرستی اور اُس کی زندگی کی طلب، حرص اور طمع اتنی شدت کے ساتھ موجود ہے۔ کہ ان سے کہہ دیا جائے کہ اگر تمہارا دین سچا ہے اور آخرت کا گھر تمہارے لئے ہے تو بے خوف وخطر موت کی تمنا اور آرزو کرو۔ لیکن بھلا یہ لوگ موت کی تمنا کیسے کر سکتے ہیں کیونکہ ان کے کرتوت اور بداعمالیوں کی بنا پر جو ذخیرہ اکٹھا کیا ہے وہ کسی بھی صورت موت کی تمنا کے خواہش مند نہیں ہوں گے کیونکہ ان لوگوں میں زندگی کی حرص بہ درجہ اتم موجود ہے اصل بات تو یہ ہے کہ گناہ معصیت اور گوسالہ کی محبت وعبادت کے سبب وہ کُفر تھا جو ان کے دلوں میں سما گیا تھا۔

کون نہیں جانتا، ایک تو محبت خود اپنے اندر اتنی کشش رکھتی ہے کہ انسان کو اندھا اور بہرا بنا دیتی ہے دوسرے اس کو 'وَاُشْرِبُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ' ۔ دلوں میں پلا دی گئی سے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ پانی انسان کے رگِ جان میں خوب گردش کرتا ہے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ۗ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾

بلکہ ان کو تم اور لوگوں سے زیادہ زندگی کے طلب گار، حریص پاؤ گے حتیٰ کہ مشرکوں سے بھی کہیں زیادہ ہر ایک ان میں یہی خواہش رکھتا ہے کہ کاش ہزار برس ان کی عمر ہو جائے مگر اتنی طویل عمر اس کو مل جائے تو عذاب سے تو چھٹکارا رنجات نہیں دے سکتی اللہ تعالیٰ ان کے کاموں کو جو یہ کرتے ہیں خوب دیکھ رہا ہے۔(۹۶)

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۷﴾

اے نبی آپ ﷺ کہہ دیجئے جو جبریل امین کا دشمن ہو جس نے آپ کے قلب اطہر پر کلام اللہ اتارا ہے جو کلام کہ پہلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اور اہل ایمان کے لئے ہدایت اور نوید بشارت (خوشخبری) ہے۔(۹۷)

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰىلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۹۸﴾

جو کوئی دشمن ہو، اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں اور جبرائیل اور میکائیل کا تو ایسے کافروں کا دشمن خود اللہ تعالیٰ ہے۔(۹۸)

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿۹۹﴾

اور یقیناً ہم نے آپ کی طرف روشن آیت اتاری ہیں جن کا انکار سوائے فاسق ربدکاروں کے کوئی نہیں کرتا۔(۹۹)

اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

یہ لوگ جب بھی کوئی عہد و پیمان کرتے ہیں تو ان کی ایک نہ ایک جماعت اسے توڑ دیتی ہے حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے اکثر ایمان نہیں رکھتے۔(۱۰۰)

(بقیہ گذشتہ صفحے سے آگے) جب کہ جانے کا گذر اس انداز میں نہیں ہوتا۔(بحوالہ فتح القدیر)

حضرت ابن عباس ؓ نے اس کی تفسیر و توضیح دعوتِ مُباہلہ سے کی ہے یہودیوں کو حکم دیا گیا کہ اگر تم نبوت اور رسالت محمد ﷺ کے انکاری ہو اور اللہ سے محبوبیت کے سچے دعویدار ہو تو مباہلہ کرو۔ گویا اللہ جل شانہٗ کی بارگاہِ احدیت میں مسلمان اور یہودی دونوں یہ کہہ دیں کہ اے رب دونوں میں جو کاذب جھوٹا ہے اسے دعوت کی آغوش میں دے دے اس دعوت کا بیان پارہ ۲۸ قدسمع اللہ سورۃ الجمعہ میں آیت ۶ ''اے یہودیو! اگر تمہارا دعویٰ ہے کہ تم اللہ کے دوست ہو، دوسرے کے سوا تو تم موت کی آرزو کرو رتمنا کرو اگر تم سچے ہو'' (بحوالہ آیت ۶ سورۃ الجمعہ)۔ اسی دعوت عمل کا بیان پارہ ۱ الٓمّٓ سورۃ البقرۃ آیت ۱۱۱ میں موجود ہے۔

وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ۭ

''اور وہ کہتے ہیں کہ جنت میں یہود و نصاریٰ کے سوا کوئی اور نہ جائے گا۔''

نجران کے عیسائیوں کو بھی دعوتِ مباہلہ دی گئی اور یہودی بھی عیسائیوں کی طرح جھوٹے تھے اس لئے عیسائیوں کی طرح یہودیوں کی بابت اللہ جل شانہٗ نے ارشاد فرمایا ''یہ ہرگز موت کی تمنا نہیں کریں گے'' حافظ ابن کثیر نے اسی بیان کو تفسیر میں واضح کیا ہے (بحوالہ تفسیر ابن کثیر) اس لئے آیت ۹۵ کے آخر میں بیان کیا گیا اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔

الفاظ ومعانی آیت ۹۶ تا ۱۰۰

﴿ لَتَجِدَنَّهُمْ ﴾ تو ضرور پائے گا۔ ﴿ هم ﴾ ان کو۔ ﴿ اَشْرَكُوْا ﴾ انھوں نے شرک کیا۔ قواعد کے لحاظ سے ماضی جمع غائب مذکر ہے ﴿ يَوَدُّ ﴾ خواہش کرتا ہے، گرائمر کے لحاظ سے مضارع واحد غائب مذکر۔ ﴿ وَدَّ ﴾ تمنا کرنا۔ ﴿ يُعَمَّرُ ﴾ اسے عمر دی جائے۔ ﴿ عَمَّرَ ﴾ عمر، مضارع مجہول واحد غائب۔ ﴿ اَلْفَ ﴾ ہزار۔ ﴿ سَنَةٍ ﴾ برس رسال۔ ﴿ اَحْرَصَ ﴾ زیادہ لالچ رطمع۔ ﴿ بِمُزَحْزِحِهٖ ﴾ دور کرنے والا، اسم فاعل۔ ﴿ نَزَّلَهٗ ﴾ اس نے اتارا، ماضی واحد مذکر غائب۔ ﴿ بَصِيْرٌ ﴾ دیکھنے والا۔ ﴿ عَدُوًّا ﴾ دشمن۔ ﴿ بِاِذْنِ ﴾ اجازت، ایما، مرضی ﴿ بَيْنَ يَدَيْهِ ﴾ دونوں ہاتھوں کے مابین۔ ﴿ بُشْرٰى ﴾ خوشخبری، نوید۔ ﴿ نَبَذَ ﴾ توڑ دیا۔

تشریح وتوضیحات آیت ۹۶ تا ۱۰۰

اِن آیاتِ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ اے نبی ﷺ آپ زیادہ سے زیادہ دنیاوی زندگی کا حریص انہیں کو پائیں گے عَلٰی حَیٰوۃٍ لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنیٰ ہیں کسی نہ کسی طرح کی زندگی، مطلب یہ کہ انہیں محض زندگی کی حرص اور طمع ہے وہ زندگانی کسی طرح کی ہو عزت وَقار سے پُر ہو، یا ذِلت آمیز رُسوائی والی ہو۔ یہود کا خیال تھا کہ جبریلِ آمین علیہ السلام اس نبی کے پاس وحی لے کر آتا ہے وہ ہمارا دشمن ہے۔

یہود کے عالم عبداللہ بن صوریا نے رسالت مآب حضور اکرم ﷺ سے کہا کہ آپ کے پاس کون سا فرشتہ آسمان سے آتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا حضرت جبریل آمین علیہ السلام ابن صوریا نے کہا وہ ہمارا دشمن ہے اگر آپ ﷺ کے پاس حضرت میکائیل آتے تو ہم آپ ﷺ پر ایمان لے آتے۔ اگر ان میں احساس انصاف اور صداقت کی تاثیر ہوتی تو وہ حضرت جبریل آمین علیہ السلام سے الفت کرتے اور ان کے احسان مند ہوتے کہ وہ ایسی کتاب ہدایت لائے جس سے ان کی کتابوں کی تصدیق ہوتی ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ اَنبیاء اور ملائکہ کی عداوت اور دشمنی کُفر اور اللہ تعالیٰ کے غضب کی علامت ہے اور محبِ حق سے دشمنی اللہ جل شانہٗ سے دشمنی کرنے کے مترادف ہے یہود کا کہنا تھا کہ حضرت میکائیلؑ ہمارا دوست ہے۔ اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہے کہ یہ سب میرے مقبول بندے ہیں جو ان کا یا ان میں سے کسی ایک کا دشمن ہے وہ اللہ تعالیٰ کا بھی دشمن ہے۔ حدیثِ مبارکہ میں ہے۔

"مَنْ عَادٰى لِيْ وَلِيًّا فَقَدْ بَارَزَنِيْ بِالْحَرْبِ"

''جس نے میرے کسی دوست سے دشمنی رکھی اس نے میرے ساتھ اعلانِ جنگ کیا''

(بحوالہ صحیح بخاری شریف، کتاب الرقاق باب التواضع)

حقیقتِ احوال تو یہ ہے کہ اللہ جل شانہٗ کے کسی ایک ولی سے دشمنی اور عداوت تمام اولیاء اللہ سے بلکہ باری تعالیٰ سے بھی دشمنی ہے اس سے یہ بات واضح ہوئی کہ اولیاء اللہ کی محبت، اور ان کی تکریم و تعظیم بہت ضروری اور اُن سے بُغض وعناد ایک بڑا جرم ہے اللہ تعالیٰ اُن کے خلاف اعلانِ جنگ کرتا ہے۔ سورۃ یُونُس آیت نمبر ۶۲ پارہ یَعْتَذِرُوْنَ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾

اور جب اُن کے پاس تشریف لائے ایک رسول اور اِن کی آسمانی کتابوں کی تصدیق بھی کی تو کتاب والوں سے ایک گروہ نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کو پسِ پُشت پھینک دیا گویا وہ جیسے جانتے ہی نہیں۔(۱۰۱)

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۗ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ۭ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۭ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ۭ وَمَا هُمْ بِضَاۗرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّھُمْ وَلَا يَنْفَعُھُمْ ۭ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۼ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَھُمْ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

اور اس کے پیروکار ہوئے اور لگے اِن باتوں کے پیچھے جو شیطان پڑھا (صفت) کرتے تھے،سلطنت سلیمانی میں یعنی سلیمانؑ نے قطعی کفر کی بات نہیں کی کفر کا ارتکاب تو ان شیاطین نے کیا جو لوگوں کو جادو سیکھاتے تھے وہ ان باتوں کے بھی پیچھے پڑے جو شہر بابل میں دوفرشتوں ہاروت وماروت پر نازل کی گئی تھی، حالانکہ وہ فرشتے کسی کو کچھ نہیں سکھاتے تھے، جب تک کے یہ نہ کہہ دیتے کہ،ہم تو مبتلائے آزمائش ہیں تم کُفر میں نہ پڑو، پھر بھی یہ لوگ ان سے وہ چیز سیکھتے تھے۔جس سے شوہر اور بیوی میں جدائی ڈال دیں اللہ کے حکم سے سوااس جادُو سے کسی کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے تھےاور کچھ ایسے منتر سیکھتے جوان کونقصان (خسارہ) ہی پہنچاتے ،اور کچھ نفع نہ دیتے اور وہ جانتے تھے جو شخص ایسی چیزوں سحر اور جادُو کا خریدار ہوگا۔اس کے لئے آخرت میں کوئی حصّہ نہیں کتنی بُرائی سے پُر متاعِ تھی جس کے عوض ربدلے انہوں نے اپنی جانوں کوفروخت کیا۔اے کاش! انہیں معلوم ہوتا۔(۱۰۲)

وَلَوْ اَنَّھُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

اور اگر وہ ایمان لاتے اور پرہیز گاری اختیار کرتے ،تو صلہ پاتے اللہ تعالیٰ کے یہاں بہتر اگر ان کو سمجھ ہوتی ؟ اے کاش!وہ اس سے واقف ہوتے (۱۰۳)

(بقیہ گذشتہ صفحہ سے آگے) اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۔

''سن لو بے شک اللہ تعالیٰ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے نہ کچھ غم''

ولی اللہ وہ ہے جو تکمیل فرائض سے قربِ الٰہی حاصل کرتا ہے اوراس قلب نُورِجلال سے باری تعالیٰ کی معرفت میں لگا ہو۔ولی وہ ہے جو اعتقاد پر مبنی دلیل رکھتا ہو اور اعمالِ صالحہ شریعت کے مطابق بجالاتا ہو۔حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے'' ولی وہ ہے جس کو دیکھنے سے اللہ تعالیٰ یاد آئے۔ابن زید کا قول ہے۔'' ولی وہی ہے جس میں ایمان اور تقویٰ دونوں موجود ہوں۔(بحوالہ طبری)

الفاظ ومعانی آیت نمبر ۱۰۱ تا ۱۰۳

﴿ نَبَذَ ﴾ اس نے پھینک دیا، توڑ دیا، (گرائمر کے لحاظ سے ماضی واحد غائب مذکر)۔﴿ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ﴾ ان کو دی گئی کتاب۔﴿ وَرَآءَ ﴾ پشت رپیچھے۔﴿ وَاتَّبَعُوْا ﴾ اِتَّبَعَ ، يَتَّبِعُ ،انہوں نے پیروی کی۔﴿ مَا تَتْلُوْا ﴾ تلا، یتلو، انہوں

نے پڑھا۔ ﴿ یُعَلِّمُوْنَ ﴾ عَلَّمَ، یُعَلِّمُ، وہ سکھاتے تھے/تعلیم دیتے تھے۔ ﴿ اَلسِّحْرَ ﴾ جادو/منتر۔ ﴿ الْمَلَكَيْنِ ﴾ مَلَکٌ کا تثنیہ دو فرشتے۔ ﴿ يُفَرِّقُوْنَ ﴾ وہ فتنہ یا جدائی ڈالتے ہیں۔ ﴿ بِضَآرِّيْنَ ﴾ اس کا واحد ضَآرٌّ اسم فاعل ہے، ضرر/نقصان دینے والا۔ ﴿ يَنْفَعُهُمْ ﴾ نفع دے۔ ﴿ اِشْتَرٰىهُ ﴾ خریدا، بیچا۔ ﴿ اِتَّقَوْا ﴾ پرہیزگاری اختیار کی۔ ﴿ لَا تَقُوْلُوْا ﴾ نہ کہو۔ ﴿ ﴾ حصہ، جزو۔ ﴿ لَمَثُوْبَةٌ ﴾ ثواب/صلہ/اجر۔

تشریح وتوضیحات آیت نمبر ۱۰۱ تا ۱۰۳

اِن آیتِ مبارکہ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ اللہ جل شانہٗ کا خطاب آقائے نامدار حضرت محمد ﷺ سے ہے کہ ہم نے آپ ﷺ کو بہت ساری آیاتِ بینات سے سرفراز کیا ہے جن کو دیکھ کر یہود کو بھی ایمان لانا چاہئے تھا گو کہ خود ان کی کتاب میں حضرت محمد ﷺ کے اوصافِ حمیدہ اور شمائلِ مبارکہ کا ذکر، اور آپ ﷺ پر ایمان لانے کا پیمان وعہد موجود ہے لیکن انہوں نے پہلے بھی کبھی اپنے کسی وعدہ کی کب پرواہ کی۔ عہد شکنی اُن کے ایک گروہ کا وطیرہ رہا ہے ستم بالائے ستم یہ کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کو بھی اسی طرح پسِ پُست ڈال دیا جیسے اسے وہ جانتے ہی نہیں۔ البتہ ہوا یوں کہ شیطان کے ساتھ پیچھے لگ کر نہ صرف جادوٹونے اور منتر پر عمل پیرا رہے بلکہ یہ دعویٰ کیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام بھی اللہ کے نبی نہیں، بلکہ ایک جادوگر تھے، نعوذ باللہ۔ اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جادو اور سحر کا عمل نہیں کرتے تھے کیونکہ عمل سحر تو علامت کُفر میں شامل ہے یہ بات واضح ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے دورِ سلطنت میں جادوگری کا فن عروج پر تھا حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کے تدارک کے لئے جادو کی کتابیں لے کر اپنے تختِ شاہی کے نیچے دفن کر دیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کے بعد ان کتابوں کو لوگوں کو دکھایا۔ (بحوالہ ابن کثیر)

خلاصہ اِس گفتگو کا یہ کہ یہود اپنے دین اور کتاب کا علم چھوڑ کر علمِ سحر کے تابع ہو گئے یہ جادو لوگوں میں دو طرف سے پھیلا ایک حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور میں کیونکہ جِنّات اور آدمی ملے جُلے رہتے تھے تو آدمیوں نے شیطانوں سے جادو سیکھا اور اس کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف منسوب کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ "یہ کام کفر کا ہے سلیمان علیہ السلام کا فن نہیں" دوسرے جادو کا اثر اور فن عروج پایا اور پھیلا ہاروت وماروت کی جانب سے۔ وہ دو فرشتے تھے شہر بابل میں بصورت آدمی ان کو علمِ سحر معلوم تھا۔

(بحوالہ تفسیر شیخ الہند حضرت محمود الحسنؒ اور حضرت شبیر احمد عثمانیؒ)

بات دراصل یہ ہے کہ لوگ جادوگروں کے شُعبدوں میں پھنس گئے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کی تعلیم کو پس پست ڈال دیا تھا حالانکہ دو فرشتے انسانی روپ میں آ کر بتاتے کہ ہم تمہاری جانب آزمائش کے طور پر آئے ہیں اور تم اپنی آخرت خراب نہ کرو۔ اس میں سب سے زیادہ وہ عمل رائج تھا کہ ایک آدمی دوسرے کی بیوی کو اس سے جُدا کر کے اپنے اوپر عاشق کر لے۔ یہ اخلاقی انحطاط کا انتہائی درجہ تھا جس میں اُس زمانے کے بنی اسرائیل مبتلائے بلا تھے۔ ازدواجی زندگی کا اثر انسانی تمدّن پر پڑتا ہے۔ اور اس پر پورے معاشرے کی خرابی کا انحصار ہے شیطان اور ان کے حواری/نمائندے ازدواجی زندگی کے بگاڑ کو اپنا کارنامہ سمجھتے ہیں۔ گویا ان کی توجہات/توجہ جادوٹونے اور طلسمات کی طرف مبذول ہونے لگی۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تَقُولُواْ رَٰعِنَا وَقُولُواْ ٱنظُرْنَا وَٱسْمَعُواْ ۗ وَلِلْكَٰفِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو دوران گفتگو محمد ﷺ کو تو راعنا نہ کہا کرو بلکہ ''انظرنا'' کہا کرو یعنی ہماری طرف دیکھئے اور خوب سن لو اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے۔ (۱۰۴)

مَّا يَوَدُّ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ مِنْ أَهْلِ ٱلْكِتَٰبِ وَلَا ٱلْمُشْرِكِينَ أَن يُنَزَّلَ عَلَيْكُم مِّنْ خَيْرٍ مِّن رَّبِّكُمْ ۗ وَٱللَّهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِۦ مَن يَشَآءُ ۚ وَٱللَّهُ ذُو ٱلْفَضْلِ ٱلْعَظِيمِ ۝

نہ تو اہل کتاب کے کافر یا مشرک وہ بھی اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ تم پر تمہارے رب کی طرف سے خیر و برکت نازل ہو اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنی رحمت خاص کے ساتھ عطا فرمائے اللہ بڑے فضل کا مالک ہے۔ (۱۰۵)

مَا نَنسَخْ مِنْ ءَايَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ أَوْ مِثْلِهَآ ۗ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ ٱللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَىْءٍ قَدِيرٌ ۝

اور ہم جس آیت کو منسوخ کر دیتے ہیں یا اسے بُھلا (فراموش) کر دیتے ہیں تو اس سے بہتر ویسی ہی اور آیات لے آتے ہیں کیا تم کو علم نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر بات پر قادر ہے۔ (۱۰۶)

أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ ٱللَّهَ لَهُۥ مُلْكُ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ ۗ وَمَا لَكُم مِّن دُونِ ٱللَّهِ مِن وَلِىٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۝

کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ ہی کیلئے ہے سلطنت آسمان اور زمین کی، اللہ تعالیٰ کے سوا تمہارا کوئی دوست حمایتی اور مددگار نہیں؟ (۱۰۷)

أَمْ تُرِيدُونَ أَن تَسْـَٔلُواْ رَسُولَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوسَىٰ مِن قَبْلُ ۗ وَمَن يَتَبَدَّلِ ٱلْكُفْرَ بِٱلْإِيمَٰنِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ ٱلسَّبِيلِ ۝

کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے رسول سے اسی طرح کے سوال کرو جس طرح کے پہلے سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے پوچھے گئے تھے سن رکھو ایمان کو کفر سے تبدیل کرنے والا سیدھی راہ سے بھٹک جاتا ہے۔ (۱۰۸)

الفاظ و معانی آیت ۱۰۴ تا ۱۰۸

﴿ اُنظُرْنَا ﴾ ہماری جانب نگاہ کیجئے ﴿ اُنظُرْ ﴾ قواعد کے لحاظ سے صیغہ امر، واحد مذکر حاضر نظر، ینظر، نا، ضمیر جمع متکلم ﴿ اسْمَعُوا ﴾ سن لو، جمع مذکر حاضر سمع، یسمع۔ ﴿ یَخْتَصُّ ﴾ خاص کر لیتا ہے مضارع واحد غائب۔ ﴿ ذُوْ ﴾ والا، اس کی جمع ذوی، ذوون۔ ﴿ رَاعِنَا ﴾ راع، ہماری طرف کان لگا، ہماری طرف متوجہ ہو۔ ﴿ رَاعِ ﴾ (مفاعلہ) مراعاۃ سے امر واحد مذکر حاضر نا ضمیر مفعول جمع متکلم رَاعِنا یہ کلمہ سن کر کبھی مسلمان بھی کہہ دیتے اللہ نے اس سے منع کیا اور اگر کہنا ہو تو اُنظر کہو اس کے بھی یہی معنی ہیں۔ یہود بدنیتی اور فریب کی خاطر اس لفظ کو زبان دبا کر کہتے تو ''راعینا'' ہو جاتا یعنی ہمارا ''چرواہا'' اور یہودی کی زبان میں راعنا احمق کو بھی کہا جاتا ہے۔ جیسے وہ کبھی السلام علیکم کے بجائے السام علیکم (تم پر موت آئے) کہا کرتے اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اہانت کا شائبہ ہو تو اس کا استعمال درست نہیں۔

﴿ نَنسَخْ ﴾ ہم منسوخ کرتے ہیں، مضارع جمع متکلم ''نسخ'' کے لغت میں معنی نقل کرنے کے ہیں لیکن شرعی اصطلاح میں اس کا مفہوم ایک حکم کو بدل کر دوسرا حکم نازل کیا جائے یہ نسخ اللہ کی جانب سے ہے یوں جانئے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے دور میں سگے بہن، بھائی کا نکاح آپس میں جائز تھا بعد وا سے حرام قرار دیا گیا اسی طرح ربّ کائنات نے قرآنِ مجید میں بھی بعض حکم منسوخ کئے اور ان کی جگہ نیا حکم نازل فرمایا۔

الفوز الکبیر میں شاہ ولی اللہ نے ان کی تعداد پانچ بیان کی ہے۔ دیگر مفسرین نے کچھ اور تعداد بتائی ہے نسخ کی تین علامت (قسم) ہیں۔

۱)......نسخ مطلقاً یعنی ایک حکم کو بدل کر دوسرا حکم نازل کر دیا۔

۲)......نسخ مع التلاوہ یعنی پہلے حکم کے لفظ قرآن مجید میں موجود رکھے گئے ان کی تلاوت ہوتی ہے، مابعدہ دوسرا حکم بھی جو نازل کیا گیا قرآن مجید میں موجود ہے گویا ناسخ اور منسوخ دونوں آیات موجود ہیں۔

۳)......نسخ کی تیسری صورت یہ ہے کہ ان کی تلاوت منسوخ کر دی گئی۔

﴿ تُرِيدُونَ ﴾ تم چاہتے ہو قواعد کے لحاظ سے مضارع جمع حاضر (مذکر) ﴿ تَسْئَلُوْا ﴾ تم سوال کرو۔ ﴿ وَلِيٍّ ﴾ دوست رحمائتی، صیغہ صفت ﴿ نَصِيْرٍ ﴾ مددگار، صیغہ صفت۔ ﴿ سُئِلَ ﴾ سوال کیا گیا ماضی مجہول واحد غائب (مذکر) سَالَ، یَسْالُ۔ ﴿ يَتَبَدَّلِ ﴾ وہ بدلے گا مضارع واحد غائب۔ ﴿ ضَلَّ ﴾ وہ گمراہ ہوا، بھٹکا ماضی واحد غائب۔ ﴿ يَرُدُّوْنَكُمْ ﴾ وہ لوٹا دیں تم کو، مضارع غائب مذکر۔ ﴿ تَبَيَّنَ ﴾ وہ ظاہر ہو گیا، ماضی واحد مذکر غائب۔ ﴿ كَمَا ﴾ (کَ، مَا) جیسا کہ ﴿ سَوَآءَ ﴾ برابر، مساوی/سیدھا۔ ﴿ السَّبِيْلِ ﴾ راستہ/راہ۔ ﴿ بِالْاِيْمَانِ ﴾ تسلیم کرنا، ایمان لانا، امن میں ہونا۔

تشریح و توضیحات آیت نمبر ۱۰۴ تا ۱۰۸

اِن آیاتِ مبارکہ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ جب یہود حضور اکرم ﷺ کی مجلس میں موجود ہوتے تو سوال کرنے کی خاطر، لفظ راعنا بولتے، درحقیقت اس میں یہود کی کینہ پروری شامل تھی۔ ان کی دیکھا دیکھی میں اور عالمِ بے خبری میں کسی وقت یہ لفظ مسلمان بھی بولتے۔ اس پر باری تعالیٰ نے کہا کہ اگر بولنا/بات کرنا پڑے تو "اُنْظُرْنَا" بولا کرو۔ اور بات کو خوب سن رکھو دھیان کے ساتھ/کان لگا کر تا کہ بار بار سوال کرنے کی نوبت نہ آئے۔ اے مسلمانو! تم یہودیوں کی طرح اپنے رسول محمد ﷺ سے ازراہ سرکشی غیر ضروری سوالات کا اعادہ مت کرو اس میں اندیشہ کفر مُضْمر ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی پیروی کرنے والے مؤمنین کو بشارت اور ہدایت ہے کہ بنی اسرائیل کے حالات اور تاریخی واقعات سے عبرت سیکھو ان کی گمراہیوں سے اجتناب کرو۔ ان آیات مبارکہ میں ان شکوک اور شبہات کا جواب درج ہے کہ جو یہودی مسلمانوں کے دلوں میں وسوسے اور برائیاں ڈالنا چاہتے تھے۔ واضح طور پر ہدایت دی گئی کہ ربِّ جلیل کی طرف سے نزول وحی، انسانی خواہشات کی تکمیل کی پابند نہیں ہے اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت سے منتخب کر لیتا ہے۔ ایک شریعت کے بعد دوسری شریعت کا نفاذ اور ظہور نسخ کی صورت میں ہوتا ہے یا نسیان، یا خطا کی صورت میں۔ نسخ یہ ہے کہ ایک بات پہلے تھی لیکن اس کو موقوف کر دیا گیا اور اس کی جگہ دوسری نے لے لی۔ نسیان بھول جانے کو کہتے ہیں پہلی شریعت گو کہ کسی بھی صورت میں موجود تھی لیکن زمانے کے تقاضے تبدیل ہو گئے یا اُس کے تسلیم کرنے والوں نے اس کی عملی روح یکسر کم کر دی۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ نئی شریعت ظہور پذیر ہوئی بعض کیفیات میں ممکن ہے کہ زمانے کی روش نے پہلی تعلیمات کو بھلا دیا۔ اصل حقیقت کا وجود ہی نہیں رہا۔ پہلی سی بات باقی نہیں رہی تو لازم قرار پایا کہ تجدید ہدایت ہو۔ احکامات باری تعالیٰ تو مُتقاضی ہے کہ ہر تعلیم نو پہلی تعلیم سے بہتر اور افضل ہو۔ یا اس کی مانند، کیونکہ دعوت حق کی اصل اساس/روح تو یہ ہے کہ اس کا تکمیل وارارتقاء اور عروج ہو۔

بات دراصل یہ ہے کہ مسائل میں ضرورت سے زیادہ باریکیاں نکالنا ایک سیدھے اور صاف معاملہ کو پیچیدہ تر کر دیتا ہے بتایا جارہا ہے جس شخص نے ایمان کی لطافت سے محروم ہو کر کفر اختیار کیا وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا

وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّن بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۖ فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٠٩﴾

اہل کتاب میں سے بہت سے لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ایمان لانے کے بعد تم کو پھر بسببِ حسد اور عناد کافر بنا دیں اگرچہ حق ان پر عیاں ہو چکا ہے تو تم تو معاف کردو اور درگذر کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ خود اپنا حکم بھیجے، بلاشبہ اللہ ہر بات (شے) پر قدرت رکھتا ہے۔ (۱۰۹)

وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ ۚ وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُم مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِندَ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿١١٠﴾

اور نماز قائم کرتے رہو، زکوٰۃ دیتے رہا کرو اور جو کچھ بھلائی تم آگے بھیجو گے اپنے لئے سب کچھ اللہ کے پاس موجود پاؤ گے بے شک جو کچھ تم کرتے ہو اللہ سب دیکھتا ہے۔ (۱۱۰)

وَقَالُوا لَن يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَن كَانَ هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ ۗ تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ ۗ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿١١١﴾

ان کا کہنا کہ جنّت میں یہود و نصاریٰ کے سوا کوئی اور نہیں جائے گا یہ صرف ان کی تمنائیں ہیں اے نبیؐ! آپ کہہ دیجئے دلیل تو پیش کرو اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو۔ (۱۱۱)

بَلَىٰ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِندَ رَبِّهِ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿١١٢﴾

ہاں کیوں نہیں! جو بھی اپنے آپ کو خلوص نیت کے ساتھ اللہ کے سامنے جھکا دے یعنی محض اللہ کی رضا کے لئے سر تسلیم خم کرے۔ بے شک اس کا رب اس کا پورا پورا اجر دے گا اس پر نہ کوئی خوف ہوگا نہ حزن و ملال (غم اور افسردگی) (۱۱۲)

الفاظ و معانی ۱۰۹ تا ۱۱۲

﴿ وَدَّ ﴾ چاہتے ہیں۔ ﴿ كَثِيرٌ ﴾ بہت سے لوگ۔ ﴿ فَاتَبَيَّنَ لَهُمُ ﴾ ظاہر ہوگیا اُن پر۔ ﴿ فَاعْفُوا ﴾ تم معاف کردو، امر جمع مذکر حاضر۔ ﴿ وَاصْفَحُوا ﴾ اور درگذر کرو/خیال نہ کرو۔ ﴿ تُقَدِّمُوا ﴾ تم آگے بھیجو گے، مضارع جمع حاضر (مذکر) ﴿ تَجِدُوهُ ﴾ تم پاؤ گے اس کو۔ ﴿ لِأَنفُسِكُمْ ﴾ تمہارے اپنے نفس کے لئے، اسم ہے۔ ﴿ هُودًا ﴾ یہودی ﴿ هَادَ ﴾ یہود سے اسمِ فاعل (اہل یہود بچھڑے کی پوجا سے تائب ہوئے) اصلی معنی ہیں حق کی طرف پلٹنے والا ﴿ لَن يَدْخُلَ ﴾ وہ ہرگز داخل نہ ہوگا، مضارع منفی بہ لَن واحد مذکر غائب کا صیغہ۔ ﴿ أَمَانِيُّهُمْ ﴾ آرزوئیں، تمنائیں ہیں۔ ﴿ بَلَىٰ ﴾ ہاں، کیوں نہیں ﴿ أَسْلَمَ ﴾ مطیع کردے سر تسلیم خم کردے۔ ﴿ يَحْزَنُونَ ﴾ وہ رنجیدہ ہوں گے، مضارع جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے۔ ﴿ بُرْهَانَكُمْ ﴾ تمہاری دلیل، اسم ہے۔ ﴿ وَجْهَهُ ﴾ چہرہ اس کا، اسم ہے۔ ﴿ مُحْسِنٌ ﴾ اسمِ فاعل ہے نیکی کرنے والا۔

تشریح و توضیحات آیت نمبر ۱۰۹ تا ۱۱۲

ان آیاتِ مبارکہ میں اظہار بیان یہ ہے کہ اہل کتاب میں بیشتر کی یہ خواہش ہے کہ تمہیں ایمان کے بعد پھر کفر کی طرف مائل

کردیں حالانکہ ان پر دین حق کی سچائی اور صداقت کا واضح اظہار ہو چکا ہے۔ لیکن حسد اور عناد کے سبب یہ نہیں چاہتے۔ مسلمانوں کو کہا جارہا ہے کہ تم حق پر اِستقامت کے ساتھ ثابت قدم رہو پس ایسے لوگوں سے عفوو درگزر کا رویہ اور طریق اختیار کرنا چاہئے یہاں تک کہ اللہ ربِ جلیل اپنا فیصلہ یا حکم صادر کرے۔ نماز قائم کرتے رہنا، پابندی وقت کے ساتھ اور زکوٰۃ دیتے رہنا گویا جسمانی اور مالی عبادت کرنا ایسی کیفیت ہے جس سے مؤمن کی روحانی صلاحیت اور اِستعداد نشو ونما پاتی ہے۔

'ملتا ہے کیا نماز میں سر کو جھکا کے دیکھ لے' کے مصداق، ان دونوں عبادتوں کو ادا کرنے سے اللہ تعالیٰ سے صحیح تعلق، ربط اور قربت استوار ہو جاتی ہے اور اجتماعی زندگی میں کمزوری کے عناصر غالب نہیں آسکتے اصل بات تو یہ ہے کہ مذاہب عالم کے پاس دین کی صداقت کا پیمانہ ایک تھا اور سچائی بھی یکساں سب کو عطا کی گئی لیکن وائے ناکامی، مذہبی گروہ بندی کے دعوے دار نے مذہبی گروہ بندی کے الگ الگ حلقے بنا کر اس کو خاصا نقصان پہنچایا حد کی انتہا تو یہ ہے ہر ایک گروہ دوسرے کو جھٹلانے پر آمادہ اور صرف اپنے آپ کو صداقت کا پیکر اور وارث سمجھ رہا ہے۔ اس کا فیصلہ اب کون کرے کہ سچا کون ہے اگر یہ مان لیا جائے کہ سب صداقت پر ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا پھر کوئی سچا نہیں ہے۔ کیونکہ ہر فرقہ یا گروہ دوسرے کو غلط جانتا ہے اگر سب کذب سے ہمکنار ہیں تو اللہ جل شانہٗ کی سچائی ہے کہاں؟ قرآن مجید میں ارشاد ہے اللہ تعالیٰ کی سچائی سب کے لئے ہے لیکن سب نے صداقت سے انحراف کیا باعتبار اصل سب سچے ہیں باعتبار عمل سب جھوٹے ہیں۔ امرواقع کی حقیقت تو یہ ہے کہ سب اس عالمگیر اور مُشترک سچائی پر جمع ہو جائیں تا کہ مذہبی نزاع کا سدِّ باب ہو سکے۔ درحقیقت یہی عالمگیر سچائی کی ایک واضح اور روشن دلیل ہے؟ یہی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم کرنے اور نیک عملی قانون کا اظہار ہے پس یہ بات ثابت ہوئی، دین حق اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا ضابطۂ حیات ہے اور اسی کو "الاسلام" سے موسوم کیا جاتا ہے۔ کیسا عجیب مقامِ فکر ہے یہودی کا کہنا اگر بشر رآدمی یہودی گروہ میں داخل نہ ہو تو نجات نہیں پاسکتا۔ عیسائی کا کہنا ہے جب تک کوئی عیسائی نہ ہو جائے نجات نہیں مل سکتی۔ از روئے قرآن نجات کا انحصار خدا پرستی اور نیک عملی پر ہے نہ کہ کسی گروہ بندی یا فرقہ بندی پر۔ جو اللہ تعالیٰ کو مانتا ہے۔ اس کی رضا اور احکامات پر عمل کرتا ہے وہی نجات پانے کا حق دار ہے جو بھی اپنے آپ کو خلوصِ دل اور طمانیت قلب سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لئے اپنے سر کو جھکا دے باری تعالیٰ اس کو پورا بدلہ دے گا اس پر نہ کوئی خوف طاری ہوگا اور نہ رنج والم اور نہ وہ حزن وملال میں مبتلا ہوگا۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُمْ يَتْلُونَ الْكِتٰبَ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿۱۱۳﴾

اور یہود کا کہنا ہے کہ عیسائی حق پر نہیں، اور عیسائی کا کہنا ہے کہ یہود حق پر نہیں، حالانکہ دونوں ہی کتاب تورات پڑھتے ہیں بالکل اسی طرح انہیں کی سی بات وہ لوگ کہتے ہیں جو کچھ علم نہیں رکھتے، یعنی مُشرک، پھر جس بات پر یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں اللہ روزِ قیامت اس کا فیصلہ ان کے درمیان کر دے گا۔ (۱۱۳)

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ أَنْ يُّذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعٰى فِي خَرَابِهَا أُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَنْ يَّدْخُلُوهَا إِلَّا خَآئِفِينَ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۱۴﴾

اور اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا؟ جو اللہ تعالیٰ کی مساجد میں اللہ کے ذکر کئے جانے کو روکے اور اس کی ویرانی بربادی کی کوشش کرے ان لوگوں کو کچھ حق نہیں کہ اس میں داخل ہوں مگر ڈرتے ہوئے ان کے لئے دنیا میں رُسوائی ہے اور آخرت میں بڑا عذاب۔ (۱۱۴)

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۱۱۵﴾

اور مشرق ومغرب سب اللہ کے ہیں جس طرف بھی تم رخ کرو گے اسی طرف اللہ کا رخ ہے۔ اللہ تعالیٰ کشادگی وُسعت والا اور بڑے علم والا ہے۔ (۱۱۵)

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهُ بَلْ لَّهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ كُلٌّ لَّهُ قٰنِتُونَ ﴿۱۱۶﴾

اور اُن کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو بیٹا بنایا ہے۔ نہیں بلکہ اللہ جل شانہٗ پاک ہے ان باتوں سے اصل حقیقت یہ ہے زمین وآسمان کی تمام مخلوق اس کی ملکیت میں ہے اور ہر ایک اس کا تابعدار اس کا (مُطیع) ہے۔ (۱۱۶)

بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَإِذَا قَضٰى أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿۱۱۷﴾

وہ زمین وآسمان کا پیدا کرنے والا ہے وہ جس کام کو کرنا چاہتا ہے پس کہہ دیتا ہے، ہوجا! بس وہ وہیں ہوجاتا ہے۔ (۱۱۷)

الفاظ ومعانی آیت نمبر ۱۱۳ تا ۱۱۷

﴿ وَ ﴾ اور۔ ﴿ مَنْ ﴾ کون ہے۔ ﴿ مَّنَعَ ﴾ اس نے روکا، قواعد کے لحاظ سے ماضی واحد غائب مذکر کا صیغہ ہے۔ ﴿ يُّذْكَرَ ﴾ ذکر کیا جائے۔ ﴿ سَعٰى ﴾ اس نے کوشش کی، سَعٰی، یَسْعٰی، اس نے کوشش رکاوش کی فعل ماضی واحد مذکر غائب۔ ﴿ يَّدْخُلُوهَا ﴾ کہ داخل ہو گیا۔ دَخَلَ، یَدْخُلُ، فعل مضارع جمع غائب (مذکر) کا صیغہ۔ ﴿ خَآئِفِينَ ﴾ خَآئِفٌ ڈرنے والے، اسم فاعل۔ ﴿ خِزْيٌ ﴾ رسوائی ذلت، اسم ہے۔ ﴿ تُوَلُّوا ﴾ تم رخ کرو، فعل مضارع جمع مذکر حاضر۔ ﴿ مَا كَانَ ﴾ نہیں ہے ﴿ ثَمَّ ﴾ وہاں وہیں اسم اشارہ ہے۔ ﴿ اتَّخَذَ اللّٰهُ ﴾ اللہ نے بنالیا ہے۔ ﴿ اِتَّخَذَ ﴾ رکھتا ہے فعل ماضی، واحد مذکر غائب۔ ﴿ قٰنِتُونَ ﴾ فرمانبرداری کرنے والا۔ اسم فاعل ہے ﴿ بَدِيعُ ﴾ پیدا کرنے والا، اسم ہے۔ ﴿ قَضٰى ﴾ اس نے فیصلہ کیا فعل ماضی واحد مذکر غائب۔ ﴿ كُنْ ﴾ ہوجا، فعل امر واحد حاضر۔ ﴿ فَيَكُونُ ﴾ پس ہوجاتا ہے۔

تشریح و توضیحات آیت نمبر ۱۱۳ تا ۱۱۷

اِن آیاتِ مبارکہ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ یہودی تورات پڑھتے ہیں جس میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی زبان مبارک سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق موجود ہے باوجود اس کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تکفیر کرنے سے باز نہیں آتے۔ عیسائیوں کے پاس انجیل مقدس موجود ہے اس میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور تورات کے مِنْ عِندِاللّٰہِ ہونے کی تصدیق موجود ہے اس کے باوجود یہ یہودیوں کی تکفیر کرنے سے باز نہیں آتے۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ یہ امرِ حقیقت اہلِ کتاب کے دونوں گروہ کے کُفر وعناد اور اپنے اپنے بارے میں خوش فہمی میں مبتلا ہونے کا اظہار کیا جارہا ہے۔

عرب کے مشرکین اہل کتاب کے مقابلے ''اُمّیین'' میں شمار کئے جاتے ہیں اس لئے انہیں ''بےعلم'' جانا گیا ہے۔ لیکن وہ بھی مُشرک ہونے کے ساتھ ساتھ باطل میں مبتلا تھے لیکن انہیں بھی زعم تھا کہ وہی حق پر ہیں۔ ذرا غضب تو دیکھئے معاذ اللہ، وہ حضرت محمد ﷺ کو ''صابی'' کہنے سے باز نہیں آتے تھے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے مساجد میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے سے منع کیا۔ یہ کون ہیں؟ ان کے بارے میں مُفسّرین کی مختلف آراء ہیں۔ ایک رائے یہ ہے کہ اس سے مراد عیسائی ہے جنہوں نے بادشاہ روم کے ساتھ باہم مل کر یہودیوں کو نماز پڑھنے میں رکاوٹ پیدا کی۔ اور اس کی تخریب کاری میں حصّہ لیا۔ (بحوالہ تفسیر ابن جریر طبری) لیکن ایک خیال یہ ہے۔ کہ مشرکین مکّہ نے مسلمانوں کو صرف تعصب وعناد کی بناء پر حُدیبیہ میں مسجد حرام (بیت اللہ) میں جانے سے روکا۔ (بحوالہ ابن کثیر) ایک تو انہوں نے سرکار دو عالم ﷺ اور ان کے صحابہ کرامؓ کو مکہ شریف سے نکلنے پر مجبور کیا اور یوں خانہ کعبہ میں مسلمانوں کو عبادت سے روکا۔

اَنْ یَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِیْنَ

''ایسے لوگوں کو خوف کھاتے ہوئے اس میں جانا چاہیے''

بات دراصل یہ ہے کہ جب ۸ھ ہجری میں فتح مکہ ہوئی تو نبی اکرم ﷺ نے اعلان فرمایا کہ آئندہ برس سے کعبۃ اللہ کا کسی مشرک کو حج کرنے اور ننگا طواف کرنے کی اجازت نہ ہوگی جو جو معاہدہ ہے اس کے مطابق ''مدت معاہدے'' کے مطابق اسے یہاں رکھنے کی اجازت ہوگی۔ بعض نے اظہار خیال کیا کہ یہ نوید مسرت ہے کہ عنقریب مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہو جائے گا اور یہ مشرکین خانہ کعبہ میں ڈرتے ہوئے داخل ہوں گے۔

یہ بھی یہود ونصاریٰ کا فساد تھا کہ ہر کوئی اپنے قبلہ کو بہتر کہتا تھا قُرآن نے بتایا کہ ''وَ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ'' اور مشرق اور مغرب کا مالک تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

چنانچہ ہجرت کے بعد جب مسلمان بَیتُ المقدس کی طرف چہرہ (رُخ) کر کے نماز پڑھتے تھے تو مسلمانوں کو اس کا ملال تھا اس موقع پر اس آیت کا نزول ہوا۔ بعض کی آراء ہے کہ اس کے نزول کا سبب سفر میں سواری پر نفل نماز پڑھنے کی اجازت ہے سواری کا منہ کدھر بھی ہو، نماز پڑھ سکتے ہیں کسی روایت میں ایک یہ سبب نزول کا بیان ہوتا ہے اور کسی میں دوسرے کا۔ (بحوالہ احسن التفاسیر)

آیت نمبر ۱۱۶ میں اظہار بیان یہ ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں کی گُمراہی کا تو یہ عالم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی (باقی اگلے صفحہ پر)

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ

اور ان لوگوں کا کہنا ہے کہ اللہ ہم سے کلام کیوں نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی، جو لوگ ان سے قبل تھے وہ بھی انہی کی مانند باتیں کیا کرتے تھے ان لوگوں کے دل آپس میں یکساں ہوگئے یقین لانے والوں کے لئے (صاحب یقین) ہم نے نشانیاں بیان کردیں۔ (۱۱۸)

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا ۙ وَّلَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ

اے محمد ﷺ! بے شک ہم نے آپ کو حق کے ساتھ خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور جہنمیوں کے بارے میں آپ سے پرسش نہیں ہوگی؟۔ (۱۱۹)

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِىْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ

اور ہرگز راضی نہ ہوں گے تجھ سے (آپ ﷺ) سے یہود و نصاریٰ جب تک آپ ان کے مذہب کی پیروی اختیار نہ کرلیں آپ کہہ دیجئے! اللہ کی ہدایت (دین اسلام) ہی سیدھی راہ ہے اور اگر آپ نے اپنے پاس علم (وحی) آجانے کے بعد بھی ان کی خواہشات کی تابعداری کی تو اللہ کے پاس آپ کا کوئی ولی ہوگا اور نہ مددگار۔ (۱۲۰)

(بقیہ گذشتہ صفحہ سے آگے) کتاب کے منحرف ہوئے اور باطل اور جھوٹ اعتقاد پر اپنی اپنی گروہ بندیاں بنائیں اور کہا کہ اللہ تعالیٰ اولاد رکھتا ہے۔ الغرض یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کو اور عیسائی سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہنے لگے۔ حالانکہ اللہ جل شانہ کی ذات پاک ہے۔ ایسی ذات کو بھلا اولاد کی کیا ضرورت ہے؟ زمین و آسمان میں جو کچھ ہے وہ سب اسی کا ہے ہر شے اس کی مطیع و فرماں بردار ہے اللہ تعالیٰ جو کام کرنا چاہے اس کے لئے اسے حرف ''کُنْ فَيَكُوْنُ'' کہنا کافی ہے اور وہ کام ہو جاتا ہے۔

الفاظ و معانی آیت ۱۱۸ تا ۱۲۰

﴿ تَشَابَهَتْ ﴾ مشابہت ہے ایک جیسے ہیں۔ ﴿ قَدْ بَيَّنَّا ﴾ بَيَّنَ، يُبَيِّنُ، ہم نے بیان کردی ہیں قواعد کے لحاظ سے ماضی قریب جمع متکلم۔ ﴿ اَرْسَلْنَا ﴾ ارسل، یرسل، ہم نے بھیجا، ماضی جمع متکلم۔ ﴿ لَا تُسْئَلُ ﴾ تجھ سے سوال نہ کیا جائے گا / پرسش نہ ہوگی۔ ﴿ لَا تُسْئَلُ ﴾ سئل، یسئل، مضارع مجہول نفی / واحد حاضر (مذکر)۔ ﴿ لَنْ تَرْضٰى ﴾ ہرگز راضی نہ ہوں گے، رضی، یرضی، مضارع منفی۔ ﴿ تَتَّبِعَ ﴾ اتبع، یتبع، تو اطاعت / پیروی اختیار کرے۔ ﴿ مِنْ قَبْلِهِمْ ﴾ اس سے پیشتر۔ ﴿ بَشِيْرًا ﴾ خوش خبری دینے والا، اسم ہے۔ ﴿ نَذِيْرًا ﴾ ڈرانے والا اسم ہے۔ ﴿ مِلَّةَ ﴾ عقائد / اصول۔ ﴿ اَهْوَآءَ ﴾ ھوی کی جمع / خواہشیں۔ ﴿ وَلِيٍّ ﴾ دوست اسم ہے۔ ﴿ نَصِيْرٍ ﴾ حمایتی / مددگار اسم ہے۔

تشریح و توضیحات آیت نمبر ۱۱۸ تا ۱۲۰

ان آیات مبارکہ میں اظہار بیان یہ ہے کہ نادان کہتے ہیں کہ اللہ جل شانہ خود ہم سے بات کیوں نہیں کرتا یا کوئی نشانی ہمارے پاس کیوں نہیں آتی؟ بات یہ ہے کہ مشرکین عرب نے بھی یہودیوں کی طرح اس مطالبہ کا اعادہ کیا کہ رب جلیل ہم سے براہ راست

گفتگو کیوں نہیں کرتا۔ جسے دیکھ کر ہم مسلمان ہوجائیں مشرکین عرب کے دل بھی کفر وعناد، سرکشی و بغاوت کے احساس سے اپنے سابقہ لوگوں کے مشابہ ہوگے۔

اگر آپ قرآن میں آیت نمبر ۵۲ سورۃ الذاریات پارہ نمبر ۲۷ قَالَ فَمَا خَطۡبُکُمۡ کا مطالعہ کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ان سے پہلے جو بھی رسول آیا اس کو انہوں نے دیوانہ یا جادوگر کہا۔

کَذٰلِکَ مَآ اَتَی الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِھِمۡ مِّنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا قَالُوۡا سَاحِرٌ اَوۡ مَجۡنُوۡنٌ ۔ ۵۲

آیت نمبر ۵۲ سورۃ الذاریات پارہ نمبر ۲۷

اس سے ان لوگوں کے پاس جو رسول آیا اس کو یہی کہا کہ جادوگر ساحر یا دیوانہ ہے۔

کیا یہ بات ایک دوسرے کو بتا جاتے تھے۔ نہیں! ایسا نہیں یہ سب باغی اور سرکش لوگ ہیں سب میں سرکشی کا جذبہ قدر مشترک ہے اس لئے داعیانِ حق کے سامنے نئے نئے مطالبے کرتے ہیں یا انہیں "مجنون" دیوانہ گردانتے، یوں کہیے کتنے معصوم ہیں شعلہ کو ہوا دیتے ہیں"۔ ان کو معلوم نہیں ان کو بھلا کیا معلوم! کہ جس کی طرف حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ دعوت دے رہے ہیں وہ دعوت اسلام دعوتِ حق ہے نہ تو یہ تحریف شدہ یہودیت ہے، اور نہ نصرانیت۔

یوں کہا جائے تو زیادہ بہتر ہے جس طرح ہر دور میں سچائی کا مزاج ایک جیسا رہا ہے اسی طرح انسانی گمراہی کے راستے کا مزاج بھی ایک جیسا رہا ہے غالباً ہر زمانے میں منکرِ حق ایک ہی طریق کو جھٹلایا اور اسی طرح سے مخالفت کی آوازیں بلند کیں لیکن دعوت ایمان قبول کرنے والوں نے کہا۔ بقول شاعر مشرق

ع باطل سے دبنے والے اے آسمان نہیں ہم
سو بار کر چکا ہے تو امتحان ہمارا

علامہ اقبال

دعوتِ حق کی پہچان یہ ہے کہ رسول کی تعلیمات اور ان کی زندگی کو دیکھا جائے یہ بات احکامات باری تعالیٰ کے خلاف ہے کہ لوگوں کے جاہلانہ خیالات کے پیش نظر معجزے دکھائے جائیں۔

درحقیقت اُمتِ محمدیہ کو یہ تعلیم دی جارہی ہے کہ اہل بدعت اور گمراہوں کو خوش کرنے کے لئے ان کی پیروی نہ کی جائے ورنہ کوئی مددگار نہ ہوگا۔

❁❁

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۲۱﴾

جنہیں ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو ایسا ہی پڑھتے ہیں جیسا اس کے پڑھنے کا حق ہے وہ اس کتاب پر ایمان رکھتے ہیں اور جو اس کے ساتھ کفر کرے وہ گھاٹے خسارے والا ہے۔ (۱۲۱)

يٰبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِىَ الَّتِىْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۲﴾

اے بنی اسرائیل (اے اولادِ یعقوب) یاد کرو میری وہ نعمتیں (جو تم پر سرفراز کی تھیں) جو تمہیں عطا کیں اور میں نے تمہیں تمام جہانوں پر فضیلت عطا کر رکھی ہے (۱۲۲)

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

اور تم ڈرو اُس دن سے جب کوئی نفس کسی نفس کے ذرا کام نہ آئے گا نہ اس سے بدلہ (فدیہ) قبول کیا جائے گا نہ کوئی سفارش ہی آدمی کو نفع دے گی اور نہ اُن کی مدد کی جائے گی۔ (۱۲۳)

الفاظ و معنیٰ آیت نمبر ۱۲۱ تا ۱۲۳

﴿ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ ﴾ ہم نے جو کتاب اُن کو دی۔ ﴿ تِلَاوَتِهٖ ﴾ تلاوت بمعنیٰ پڑھنا، یہ پڑھنا صرف کتب آسمانی کے لئے مخصوص ہے۔ ﴿ يَكْفُرْ ﴾ کفر، یکفر، جو انکار کرے مضارع واحد غائب مذکر، ﴿ اذْكُرُوْا ﴾ یاد کرو۔ ﴿ فَضَّلْتُكُمْ ﴾ فضیلت دی (میں نے)۔ ﴿ وَاتَّقُوْا ﴾ ڈرو۔ ﴿ اِذْ ﴾ جب اسم ظرف زمان قواعد کے لحاظ سے۔

تشریح و توضیحات آیت نمبر ۱۲۱/۱۲۳

اِن آیاتِ مبارکہ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ کچھ لوگ نیک، صالح اور اچھے اخلاق کے مالک تھے۔ اس آیت میں نیک لوگوں کی خوبیاں اور اُن کے مومن ہونے کی خوش خبری دی جا رہی ہے ان میں عبداللہ بن سلام ﷜ اور دیگر لوگ ہیں۔ جن کو یہودی ہونے کے باوجود قبولِ اسلام کی توفیق عطا ہوئی۔

اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ

گویا اس کتاب کو اس طرح پڑھتے ہیں جس طرح پڑھنے کا حق ہے۔

اس کے کئی مطلب بیان کیے گئے ہیں اوّل یہ کہ خوب توجہ وانہماک سے پڑھتے ہیں۔ جنت کا ذکر ہوتا ہے تو بہشت کو طلب کرتے ہیں، دوزخ کا بیان آ جائے تو اس سے پناہ طلب کرتے ہیں۔ دوئم یہ کہ اس کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام قرار دیتے ہیں کلام اللہ میں تحریف کرنے کی جرأت نہیں کرتے۔ جیسے دیگر یہودی کرتے تھے۔ سوئم یہ کہ اس میں جو کچھ تحریر ہے لوگوں کو اس کی بات بتانے میں اس کی کوئی بات چھپاتے نہیں۔ چہارم (چوتھی) بات یہ کہ اس کی متشابہات پر ایمان رکھتے ہیں جو باتیں سمجھ سے بالاتر ہوتیں انہیں علماء سے دریافت کر کے حل کرتے، پنجم (پانچویں) یہ بات کہ اس کی ایک ایک بات کا کلی اتباع کرتے۔ (بحوالہ فتح القدیر) اہلِ کتاب میں سے جو حضرت محمد ﷺ کی رسالت پر ایمان نہیں لائے گا وہ دوزخ میں جائے گا۔ (بحوالہ ابن کثیر)

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ۭ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ۭ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ ۭ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۲۴﴾

اور جب ربّ نے حضرت ابراہیم کو کئی باتوں سے آزمائش کی تو وہ ان میں پورا اترے اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں تمہیں لوگوں کا امام (پیشوا) بنادوں گا وہ عرض کرنے لگے میری اولاد میں سے بھی پیشوا بنائیو! ربِّ جلیل نے کہا میرا وعدہ ظالموں کے لئے نہیں ہوا کرتا۔ (۱۲۴)

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ۭ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ۭ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّاۗىِٕفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۲۵﴾

اور ہم نے بَیْتُ اللّٰہ کو لوگوں کے لئے جمع ہونے اور اَمن واَمان کی جگہ بنائی تم مقامِ ابراہیم کو جائے نماز مقرر کرلو ہم نے ابراہیم علیہ السلام سے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام سے وعدہ لیا کہ تم میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے پاک صاف رکھا کرو۔ (۱۲۵)

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗٓ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۲۶﴾

اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام، نے دعا کی اے میرے رَبّ! اس شہر کو اَمن کا گہوارہ بنا یہاں کے رہنے والے کو جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والے ہوں اُن کے کھانے کو میوے عطا کر، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا میں کافروں کو بھی تھوڑا نفع پہنچاؤں گا پھر انہیں آگ کے عذاب کی طرف بے بس کروں گا وہ بُری جگہ رہنے کی اور بدترین ٹھکانہ ہے (۱۲۶)

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ۭ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۲۷﴾

اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کعبہ شریف کی بنیادیں اور دیواریں اٹھاتے جاتے تھے تو یہ دعا کرتے جاتے تھے، اے ہمارے ربّ! یہ خدمت قبول فرما بے شک تو ہی سننے والا اور جاننے والا ہے۔ (۱۲۷)

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۠ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۸﴾

اے ہمارے رب! ہمیں اپنا فرمانبردار اور مُطیع بنالے اور ہماری اولاد میں سے ایک جماعت رگروہ کو اپنا اطاعت گزار بنالے اور ہمیں حج کے قاعدے رمناسک حج سکھا گویا ہمیں اپنی عبادت کے طریق سکھا اور ہماری توبہ قبول فرما تو توبہ قبول کرنے والا اور رحم و کرم کرنے کے ساتھ توجہ کرنے والا ہے۔ (۱۲۸)

الفاظ و معانی آیت ۱۲۴ تا ۱۲۸

﴿ اِذِ ابْتَلٰى ﴾ اِبْتَلٰى ... فعل ماضی ... مذکر غائب۔ ﴿ اَتَمَّ ﴾

پورا کردیا، ماضی واحد مذکر غائب۔ ﴿ اِذْ ﴾ جب ـــــــ اسم ظرف زماں۔ ﴿ ذُرِّیَّتِیْ ﴾ میری اولاد، نسل۔ ﴿ لَا یَنَالُ ﴾ نال، ینال، پہنچے گا نہیں، مضارع منفی واحد غائب (مذکر) ﴿ اِتَّخِذُوْا ﴾ بناؤ، مقرر کرو۔ ﴿ جَعَلْنَا ﴾ جعل، یجعل، بنایا ہم نے ، ماضی جمع متکلم۔ ﴿ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ ﴾ اکٹھا ہونے کا مقام لوگوں کے لئے ،اسم ظرف مکان ہے۔ ﴿ اَمْنًا ﴾ مقام امن، اسم ہے۔ ﴿ مُصَلًّى ﴾ جائے نماز، اسم ظرف مکان۔ ﴿ طَهِّرَا ﴾ پاک صاف رکھو۔ ﴿ اُرْزُقْ ﴾ رزق ، روزی دے، رزق، یرزق، گرائمر کے لحاظ سے امر واحد مذکر حاضر۔ ﴿ بَیْتِیَ ﴾ بیت، ی، میرا گھر اسم ہے۔ ﴿ الرُّكَّعِ ﴾ رکوع کرنے والے اس کا واحد رَاکِعٌ اسم فاعل ہے۔ ﴿ السُّجُوْدِ ﴾ سجدہ کرنے والا، ساجدٌ اس کا واحد ہے قواعد ، گرائمر کے مطابق اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ ﴿ بَلَدًا اٰمِنًا ﴾ امن والا شہر، اسم فاعل ہے۔ ﴿ اَضْطَرُّ ﴾ اِضْطَرَّ، یَضْطَرُّ، مجبور کروں گا۔ ﴿ یَرْفَعُ ﴾ وہ اٹھاتا ہے مضارع واحد غائب (مذکر) ﴿ تَقَبَّلْ ﴾ قبول کر۔ ﴿ مِنَّا ﴾ ہم سے۔ ﴿ اَرِنَا ﴾ دکھا ہمیں، اَرِ صیغہ امر واحد مذکر حاضر اَرِی ضمیر مفعول جمع متکلم۔ ﴿ مَنَاسِكَنَا ﴾ حج کے قاعدے ، طریقے ، مَنَاسِک ، حج کی عبادتیں۔ ﴿ وَتُبْ عَلَيْنَا ﴾ توبہ قبول کر، معاف فرما، امر واحد حاضر۔ ﴿ الْقَوَاعِدَ ﴾ اس کا واحد قَاعِدَةٌ، بنیادیں اسم ہے۔ ﴿ اِنَّكَ ﴾ اِنَّ، کَ، بے شک تو۔

تشریح وتوضیحات آیت ۱۲۴ تا ۱۲۸

اِن آیاتِ مبارکہ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی چند باتوں میں جو آزمائش ہوئی اس کا ذکر ہے مَنصبِ امامت عطیہ باری تعالیٰ ہے اس کا بیان ہے دین کی دعوت اور بیت اللہ کی تعمیر کا ذکر ہے اور اُمّت مُسلمہ کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا تذکرہ ہے جو امت محمدیہ ﷺ کی آمد کا پیش خیمہ ہوئی۔ یہ دعائے خلیل جب مَبرور ہوئی جس سے چمنستانِ کائنات میں نور محمد ﷺ کی روشنی جلوہ فگن ہوئی سُبحان اللہ آمد مصطفیٰ ﷺ۔ اس گفتگو کا ماحصل یہ ہوا کہ حسب ذیل امور نمایاں ہوئے۔

۱)......حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت آزمائشوں سے دوچار ہوئی اپنی متاعِ عزیز سیدنا اسماعیل علیہ السلام کو راہِ خدا میں قربان کردیا گویا پسر ذبح ہوئے۔

۲)......پھر آگ میں ڈالنے کی آزمائش، جو نمرود نے آپ علیہ السلام کو آگ میں ڈالا۔ (بقول علامہ اقبال)

ع کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

۳)......اور ہجرت کرنا یہ وہ تمام آزمائشیں ہیں جن سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو گزرنا پڑا، اور بفضل ربّی ہر آزمائش میں کامیاب وکامران رہے جس کے صلے میں ''امام الناس'' کا مرتبہ عطا ہوا چنانچہ مسلمان ہی نہیں یہودی، عیسائی اور مشرکین عرب کے لئے ان کی ذات ایک مسلمہ محترم شخصیت تھی اور ان کی دعوت اور طریقۂ عمل سے کسی کو بھی انکار نہیں تھا۔ بقول شاعر مشرق ۔

وہ فیضان کرم تھا یا مکتب کی کرامت تھی
سکھائے جس نے اسماعیل کو آداب فرزندی

یہ دعائے خلیل جب مقبول ومَبرور ہوئی تو ربِّ جلیل نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس خواہش کی تکمیل کردی جس کا آیت

۲۷ سورۃ العنکبوت پارہ ۲۰ اَمَّنْ خَلَقَ میں ہے۔

وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ۔

''اور ہم نے ابراہیم کو اسحٰق و یعقوبؑ عطا کئے اور ہم نے نبوت اور کتاب ان کی اولاد میں کر دی'' آیت ۲۷

گویا یہ معلوم ہوا کہ ہر نبی جیسے باری تعالیٰ نے مبعوث فرمایا اور ہر کتاب جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد نازل ہوئی اولاد ابراہیم علیہ السلام میں یہ سلسلہ جاری وساری رہا۔ (بحوالہ ابن کثیر)

اِس کے بعد یہ ارشاد کہ ''میرا وعدہ ظالموں سے نہیں ہوا کرتا'' یہ حکم اس امر کی وضاحت کے ساتھ دلیل ہے کہ جو اولاد ابراہیم علیہ السلام میں نافرمان، ظالم مشرک ہو گئے اس کی شقاوت اور محرومی کو ختم کرنے والا کوئی نہیں ہو گا اگر ایمان و عمل صالح نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ محمد رسول اللہ ﷺ کا فرمان مبارک ہے۔

''جس کو اس کا عمل پیچھے چھوڑ گیا اس کا نسب اسے آگے نہیں بڑھا سکے گا'' (بحوالہ مسلم شریف کتاب الذکر والدعاء، باب فضل الاجتماع علیٰ تلاوۃ القرآن)

حضرت ابراہیم علیہ السلام جو بیت اللہ کے بانی اوّل میں شمار کئے جاتے ہیں بیت اللہ کی دو خصوصیات کا ذکر ان آیات مبارکہ میں آیا ہے ''مَثَابَةً لِّلنَّاسِ'' ''لوگوں کے لئے اجر و ثواب کا مقام بالفاظ دیگر بار بار لوٹ کر آنے کی جگہ، یہ بھی ایک خوش آئند امر حقیقی ہے کہ جو ایک بار بیت اللہ کی زیارت کا شرف حاصل کر لیتا ہے بار بار بلکہ ہزار بار جانے کے لئے بیقرار و بے چین رہتا ہے بلکہ بیت اللہ پر ہی کیا موقوف ہے جو در بار نبی ﷺ کا دیدار کر لیتا ہے اس کا دل بھی بار بار جانے کے شوق میں بے تاب رہتا ہے۔ بقول بہزاد لکھنوی ؎

ع بس ایک بار طیبہ کی جانب جو دیکھا
نظر ہو گئی محترم اللہ اللہ

بلکہ میں تو آپ سے یہ کہنے کی اجازت چاہوں گا کہ یہ ایسے شوق ہیں جس کی کبھی تسکین نہیں ہوتی بلکہ روز افزوں جانے کے شوق میں انسان مضطرب ہی رہتا ہے۔ شاید اس سال مجھے اذن حضوری مل جائے شاید اس سال نظر آ جائے سفر کی صورت۔ آمین ثم آمین۔

بیت اللہ کی دوسری خصوصیت یہ بیان کی گئی ''مسکن امن'' ہے یعنی یہاں کسی دشمن کو بھی خوف نہیں رہتا چنانچہ ''عہد جاہلیت'' کے واقعات کا مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ دور جاہلیت میں بھی لوگ ''حدود حرم'' کے احترام میں کسی دشمنِ جان سے بدلہ نہیں لے سکتے۔ اسلام نے اس کے تقدس کو برقرار رکھا اور اس کی مزید تاکید اور توسیع کی۔

مقام ابراہیم سے مراد وہ جگہ ہے جہاں پر پتھر ایک محفوظ انداز میں رکھا گیا ہے اور ہر حاجی دورانِ طواف حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدم مبارک کے نشانات کو اس پتھر میں دیکھتا ہے یہ وہی مقام ہے جہاں طواف کی تکمیل ادائیگی کے بعد دو رکعت نماز پڑھنے کا حکم ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے یہ وعدہ لیا گیا کہ طواف کرنے والوں اور رکوع سجدہ کرنے والوں کے لئے اس میرے گھر کو پاک صاف رکھو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا بھی مقبول ہوئی کہ شہر گہوارہ امن وامان رہے اور ہماری اولاد میں ایک جماعت کو اپنا مطیع اور فرمانبردار رکھ چنانچہ باری تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا سبحان اللہ بابرکت ہے وہ لمحہ اور ساعت جب آقائے نامدار ﷺ تمام عالمین کے لئے رحمت دو عالم بن کر تشریف لائے اور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ''میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ کی دعا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور اپنی والدہ آمنہ کا خواب ہوں۔ (بحوالہ فتح الربانی)

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١٢٩﴾

اے ہمارے ربّ! اِن میں انہی میں سے ایک رسول مَبعُوث کیجیو! جواِن کے پاس تیری آیتیں تلاوت (پڑھا) کرے انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ نفس کرے اور اُن کے دلوں کو پاک صاف کیا کرے، یقیناً تو زبردست غالب اور حکمت والا ہے۔ (۱۲۹)

وَمَن يَرْغَبُ عَن مِّلَّةِ إِبْرَاهِيمَ إِلَّا مَن سَفِهَ نَفْسَهُ ۚ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا ۖ وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ﴿١٣٠﴾

اور کون ہے جو رُوگردانی کرے حضرت ابراہیمؑ کے دین کی مگر وہی جس نے جاہل اور احمق بنالیا اپنے آپ کو اور بے شک ہم نے اس کو چُن لیا یعنی منتخب کرلیا دنیا میں اور آخرت میں بھی ان کا شمار صالحین رنیک کاروں میں ہوگا۔ (۱۳۰)

إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ ۖ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٣١﴾

یاد کرو جب اس کے ربّ نے کہا اس کو اطاعت بجالانے کو تو اس نے کہا میں اطاعت شعار رفرمانبردار ہوں تمام عالم کے پروردگار کا۔ (۱۳۱)

وَوَصَّىٰ بِهَا إِبْرَاهِيمُ بَنِيهِ وَيَعْقُوبُ يَا بَنِيَّ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ لَكُمُ الدِّينَ فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ ﴿١٣٢﴾

اور ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو اسی بات کی وَصِیّت کی اور یعقوبؑ نے بھی اپنے فرزندوں کو تاکید کی بیٹا! اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے یہی دین پسند کیا ہے تو مرنا تو مسلمان ہی مرنا۔ (۱۳۲)

الفاظ ومعانی آیت ۱۲۹ تا ۱۳۲

﴿ اِبْعَثْ ﴾ بھیج، مبعوث کر، بَعَثَ، قواعد کے مطابق امر واحد مذکر حاضر۔ ﴿ يُزَكِّيهِمْ ﴾ وہ تمہارا تزکیہ نفس کرے ﴿ يَرْغَبُ ﴾ رَغِبَ، روگردانی کرے، بے رَغبتی۔ مضارع واحد مذکر غائب۔ ﴿ سَفِهَ ﴾ نادان بنایا، بے وقوف بنایا۔ ﴿ اِصْطَفَيْنٰهُ ﴾ ہم نے منتخب کیا رچن لیا۔ اِصْطَفٰی قواعد گرائمر کے مطابق ماضی جمع متکلم۔ ﴿ اَلْحِكْمَةَ ﴾ دانائی، فہم ودانش کے ذریعہ، اسم ہے ﴿ اَلصّٰلِحِيْنَ ﴾ نیک لوگ، صالح اس کا واحد صَالِحٌ اسم فاعل ہے۔ ﴿ اَسْلِمْ ﴾ تو حکم بجالا، امر واحد حاضر (مذکر) اَسْلَمَ، يُسْلِمُ ﴿ اَسْلَمْتُ ﴾ میں نے اطاعت کی رفرمانبرداری کی، قواعد رگرائمر کے مطابق ماضی واحد متکلم۔ ﴿ وَصّٰى ﴾ اس نے وصیت کی۔ ﴿ فَلَا تَمُوْتُنَّ ﴾ فَ، پس، لَا نہیں، تَمُوْتُنَّ، تم ہرگز نہ مرنا۔

تشریح وتوضیحات آیت ۱۲۹ تا ۱۳۲

ان آیاتِ مبارکہ میں اظہارِ بیان ہے کہ اے ہمارے ربّ انہیں میں سے رسول مَبعُوث اور عطا کر، جو اُن کے پاس تیری آیات پڑھ کر سنائے اور حکمت ودانائی کی تعلیم دے۔ "اَلْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ" یہاں کتاب سے مراد قرآن کریم ہے اور حکمت کے دائرہ عمل میں حدیث شامل ہے گویا تلاوتِ آیات کے بعد تعلیم ودرس کتاب اور حکمت کے الفاظ کے استعمال سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قرآن حکیم کی نفس تلاوت بھی مقصود ہے جو باعثِ رحمت بھی ہے اور اجر وثواب کا مُوجب بھی، اور اگر قرآن کے معنیٰ ومطالب فہم وادراک

کے ساتھ سمجھ میں آجائیں تو پھر کیا کہنا، سبحان اللہ، زہے خوش نصیبی اگر معنیٰ و مطلب سمجھ سے بالاتر ہوں تب بھی قرآن کی تلاوت خود ایک عمل نیک ہے لیکن یہ ہماری ذمّہ داری ہے کہ قرآن کے معنیٰ اور فہم جاننے کے لئے اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لائیں۔

یہ اللہ تعالیٰ کا ایک خاص انعام ہے دین ابراہیمی سے رُوگردانی بیوقوفی کی علامت ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جو فضیلت اور عظمت عطا ہوئی ہے کہ انہوں نے اطاعت وفرمانبرداری کی انمول روایت پیش کی یہ ایک اَمر حقیقت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے الــدیــن کی وصیت ونصیحت اپنی اولاد کو بھی کی جس کو یہودیت نہیں کہا جاسکتا اور کہا کہ خبردار ''تم مسلمان ہی مرنا'' گویا اس میں تعلیمات اسلام مُضمر اور پوشیدہ ہیں۔ قرآن مجید میں دیگر مقامات پر اس کا واضح بیان موجود ہے۔ سورۂ آلِ عمران آیت نمبر ۱۹ پارہ نمبر ۳ تِلکَ الرُّسُلُ۔

اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَاللّٰہِ الۡاِسۡلَامُ ۟

بے شک دین اللہ جل شانہٗ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔

اس گُفتگو سے ماحَصل یہ نکلا کہ تلاوت قرآن اور تعلیم کتاب، اور تعلیم حکمت کے بعد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا ایک اہم مقصد ومدعا یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ تعلیمات کی روشنی میں سبق یہ لیا اور دیا جائے کہ لوگوں کو شرک وبدعات کی آلائشوں سے اور اخلاق و کردار کی برائیوں اور کوتاہیوں سے پاک رکھا جائے۔

گویا اسلام ہی وہ دینِ مبین ہے جس کی دعوت وتعلیم ہر ایک پیغمبر نے اپنے اپنے زمانے میں دیتے رہے، اور اس کی اکمل ترین صورت وہ ہے جسے رسالت مآب نبی برحق، نبی آخرالزماں حضرت محمد ﷺ نے کائنات کے سامنے پیش کیا جس میں دعوتِ توحید ورسالت اور آخرت پر ایمان ویقین ہے گویا ایمان اسلام اور دین ہے کہ اللہ کو ''یکتا'' جان کر صرف اللہ کی عبادت کی جائے اور محمد رسول اللہ ﷺ سمیت تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر ایمان لایا جائے اور محمد ﷺ کو خَاتمِ النّبیّین تسلیم کر کے اِیمانیات کے بعد محمد ﷺ کی تعلیمات قرآن وحدیث پر عمل کرنے کا عزم کیا جائے حضور اکرم ﷺ کی حدیث مبارکہ ہے۔

''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جو یہودی یا نصرانی مجھ پر ایمان لائے بغیر فوت ہو گیا وہ جہنمی ہے'' (بحوالہ صحیح مسلم شریف)

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚۖ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۳﴾

تو کیا تم اس وقت موجود تھے؟ جب حضرت یعقوب علیہ السلام اس دنیا سے انتقال کر رہے تھے جب انہوں نے اپنے بیٹوں سے دریافت کیا، میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے! تو سب نے جواباً کہا اب ہم اسی ایک ہی خدا کی عبادت کریں گے آپ کے آباؤ اجداد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام اور اسحاقؑ کے معبود کی عبادت کریں گے جو معبود بَرحق/یکتا ہے ہم سب اسی کے اطاعت گذار رہیں گے۔ (۱۳۳)

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۴﴾

وہ ایک جماعت تھی جو گزر چکی جو کچھ انہوں نے کمایا وہ اُن کے لئے ہے اور جو کچھ تم کرو گے وہ تمہارے لئے ہے ان کے اعمال کے بارے میں تم سے نہیں دریافت کیا جائے گا۔ (۱۳۴)

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۳۵﴾

اور یہودی کہتے ہیں کہ یہودی ہو تو راہ ہدایت پاؤ گے عیسائی کہتے ہیں کہ عیسائی بن جاؤ تو راہِ راست پالو گے۔ تم کہو بلکہ صحیح راہ ہدایت پر مِلّتِ ابراہیمی اختیار کرنے والے ہیں اور ابراہیمؑ خالص اللہ کے ماننے والے تھے اور مُشرک نہ تھے۔ (۱۳۵)

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِىَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِىَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾

تم کہہ دو مسلمانو! ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور جو کتاب ہم پر نازل ہوئی اس پر، اور جو حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسماعیلؑ، اسحٰقؑ، یعقوبؑ اور اولادِ یعقوبؑ کی طرف نازل ہوا اور جو کچھ اللہ کی جانب سے موسیٰؑ، عیسیٰؑ اور دیگر تمام پیغمبروں کو اُن کی طرف سے عطا ہوا ہم ان کے مابین کوئی تفریق/فرق نہیں کرتے، ہم اللہ کے اطاعت گذار/فرمانبردار ہیں۔ (۱۳۶)

الفاظ معانی آیت ۱۳۳/۱۳۶

﴿ اَمْ كُنْتُمْ ﴾ کیا تم تھے۔ ﴿ حَضَرَ ﴾ حاضر ہوا، قواعد کے مطابق ماضی واحد مذکر غائب۔ ﴿ قَدْ خَلَتْ ﴾ جو ہو چکی ہے/گذر چکی ہے، ماضی قریب واحد غائب۔ ﴿ كَسَبَتْ ﴾ اُس نے کمایا، اس نے حاصل کیا، قواعد کے مطابق فعل ماضی واحد غائب (مؤنث)۔ ﴿ لَا تُسْـَٔلُوْنَ ﴾ سَئَلَ، یَسْئَلَ، نہ سوال کیا جائے گا مضارع مجہول منفی۔ ﴿ مَا ﴾ کس کا/کس کی۔ ﴿ تِلْكَ ﴾ یہ/وہ، اسم اشارہ ہے واحد مخاطب مؤنث کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ ﴿ لَهَا ﴾ لَ، ھَا، ان کے لئے اسم ہے۔ ﴿ تَهْتَدُوْا ﴾ تم راہِ ہدایت پاؤ گے، اِهْتَدٰی، یَهْتَدِی۔ ﴿ اُوْتِیَ ﴾ دیا گیا۔ ﴿ اَلْاَسْبَاطُ ﴾

ایک دادا کی اولاد ہیں، مراد بنی اسرائیل ہے جو حضرت یعقوبؑ کی اولاد ونسل ہے، قواعد کے مطابق اسم ہے۔

تشریح وتوضیح آیت ۱۳۳/۱۳۶

اِن آیاتِ مبارکہ میں اظہارِ بیان کیا جارہا ہے کہ اے یہود! کیا تم حضرت یعقوب علیہ السلام کے انتقال کے وقت موجود تھے تمہارا یہ دعویٰ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد کو یہودیت پر قائم رکھنے کی وصیت ونصیحت کی تھی تو کیا تم اس وقت حاضر تھے اگر تمہارا یہ کہنا ہے کہ موجود تھے تو یہ جھوٹ اور بہتان ہے اگر یہ کہا جائے کہ موجود نہ تھے تو یہ دعویٰ بھی کذب پر مبنی ہے۔ کیونکہ اس کی وصیّت تو اسلام کی تھی گویا تمام انبیاء علیہم السلام کا دین اسلام ہی تھا اگرچہ شریعت اور طریقہ کار میں کچھ کچھ فرق ضرور تھا اس بات کی تصدیق حضرت محمد ﷺ کے اس فرمان سے ہو جاتی ہے۔

''انبیاء کی جماعت اولادِ علات[1] ہیں ان کی مائیں الگ مختلف اور باپ ایک ہیں اور اُن کا دین ایک ہی ہے۔'' (بحوالہ صحیح بخاری کتاب الانبیاء۔)

بات دراصل یہ ہے کہ اللہ پر ایمان لانا اور اس کے قانون سعادت کی پیروی وتابعداری عالمگیر صداقت ہے جس کی طرف قرآن دعوتِ عظیم دے رہا ہے جس کا سیدھا سادہ مفہوم یہ ہے کہ ہر قسم کی نسبت اور فرقہ بندی / جماعت بندی / گروہ بندی سے الگ ہو کر صرف اور صرف اللہ کی فرمانبرداری کی طرف انسانوں کو بلایا جائے۔

اہل یہود کو مخاطب ہو کر کہا جارہا ہے گو کہ تم ان کی اولاد ہی سہی، در حقیقت تمہارا ان سے کوئی واسطہ نہیں جب کہ تم ان کے طریقہ سے انحراف کرنے لگے انہوں نے جو کچھ کمایا اس کا صلہ انہیں ہی ملے گا تمہیں قطعی نہیں! تمہیں تو وہی کچھ ملے گا جو تم کماؤ گے! اس کا مطلب تو یہ نکلا کہ اسلاف کی نیکی پر اعتماد اور تکیہ کرنا آپ کے کس کام کا! اصل شئے ایمان اور عمل صالح ہے جو گذشتہ صالحین کا بھی سرمایہ حیات تھا اور قیامت تک آنے والے انسانوں کی نجات کا واحد وسیلہ اور ذریعہ ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے صحیح راہ ہدایت پر ملت ابراہیم علیہ السلام کی پیروی ہے اسلام کی تعلیمات اللہ کے فضل وکرم سے قرآن اور حدیث میں محفوظ ہیں ایمان تو یہ ہے کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو اللہ کی طرف سے جو کچھ عطا ہوا، نازل ہوا، سب پر ایمان لایا جائے کسی بھی کتاب یا رسول کا انکار نہ کیا جائے، کسی کو تسلیم کرنا اور کسی کو نبی یا رسول تسلیم نہ کرنا یہ انبیاء کے مابین تفریق ہے ایسا عمل کرنے سے اسلام نے روکا ہے البتہ اب صرف اور صرف عمل قرآن الحکیم کے احکام پر ہوگا کیونکہ سابقہ کتب اصلی حالت میں نہیں وہ تحریف شدہ ہیں اس لئے قرآن کے مطابق اس کو منسوخ کر دیا گیا۔

❁ ❁

---

[1] علات کہا جاتا ہے بنو علات، یعنی ایک مرد سے چند ماؤں کے بیٹے اور اس کو اولادِ اخیاف کہتے ہیں (بحوالہ مصباح اللغات)

علاق۔ علٰ۔لا۔ق۔ (عربی) [illegible]

فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوْا وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝

اگر یہ لوگ بھی اسی طرح ایمان لائیں جس طرح تم ایمان لاتے ہو تو یہ ہدایت یافتہ ہیں اور ان سے منہ موڑ لیں تو صاف بات ہے وہ ہٹ دھرمی میں مبتلا ہو گئے پس ان کے مقابلے میں اللہ تمہاری حمایت مدد کے لئے کافی ہے اور خوب سننے اور جاننے والا ہے۔ (۱۳۷)

صِبْغَةَ اللَّهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ صِبْغَةً وَنَحْنُ لَهُ عَابِدُونَ ۝

اللہ جل شانہٗ کا رنگ اختیار کرو، اللہ سے بہتر کس کا رنگ ہو سکتا ہے! ہم تو اسی کی عبادت کرنے والے ہیں۔ (۱۳۸)

قُلْ أَتُحَاجُّونَنَا فِي اللَّهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ وَلَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُخْلِصُونَ ۝

آپ کہہ دیجئے کہ تم اللہ کے بارے میں ہم سے جھگڑتے ہو؟ حالانکہ وہی ہمارا ربّ اور تمہارا رب ہے ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال ہیں ہم اللہ تعالیٰ کے لئے اپنی بندگی اور اطاعت کو خالص کر چکے ہیں۔ (۱۳۹)

أَمْ تَقُولُونَ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطَ كَانُوا هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ قُلْ أَأَنْتُمْ أَعْلَمُ أَمِ اللَّهُ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهُ مِنَ اللَّهِ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ۝

کیا تم کہتے ہو! حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسماعیلؑ، اور حضرت اسحٰقؑ اور حضرت یعقوبؑ اور ان کی اولاد یہودی یا نصرانی تھے؟ کہہ کیا تم زیادہ علم جانتے ہو یا اللہ تعالیٰ اور اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ کی شہادت کو جو اس کے پاس (کتاب میں موجود ہے) چھپائے اور اللہ تمہارے کاموں سے غافل (بے خبر) تو نہیں ہے۔ (۱۴۰)

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

یہ وہ امت ہے جو گذر چکی ان کی کمائی ان کے لیے تھی اور تمہاری کمائی تمہارے لئے ہے، اور جو عمل وہ کرتے تھے ان کے متعلق تم سے نہیں دریافت رسوال کیا جائے گا۔ (۱۴۱)

الفاظ و معانی آیت ۱۳۷/۱۴۱

﴿اهْتَدَوْا﴾ ہدایت پائی۔ ﴿تَوَلَّوْا﴾ تم پھر جاؤ۔ ﴿شِقَاقٍ﴾ ضد رہٹ دھرمی۔ ﴿يَكْفِي﴾ کافی ہوگا کفایت کرے گا، گرائمر رقواعد کے مطابق مضارع واحد غائب (مذکر) ﴿أَحْسَنُ﴾ زیادہ بہتر راچھا، اسم ہے قواعد کے مطابق فعل تفضیل کا صیغہ ہے۔ ﴿صِبْغَةَ اللَّهِ﴾ اللہ کا رنگ، دین مراد ہے نصرانیوں نے زرد رنگ پانی کا بنا رکھا تھا اور یہ دستور تھا کہ جب ان کے یہاں بچہ پیدا ہوتا یا کوئی ان کے دین میں داخل ہوتا تو اس کو اس رنگ میں ڈبوتے، اس رسم کو ان کے یہاں "بپتسمہ"[۲] کہتے ہیں اس کے بغیر وہ اس کو پاک تصور نہیں کرتے اللہ نے فرمایا اصل رنگ تو اللہ کا رنگ ہے۔ مُفسّرین نے تحریر کیا ہے اللہ کے

[۱] تاریخ کے مطالعہ سے اس بات کا علم ہوا کہ جامع القرآن خلیفہ سوئم حضرت عثمانؓ کی شہادت کے موقع پر ایک مصحفِ عُثمانی ان کی اپنی گود میں تھا اس آیت کے اس جملہ خون کے چھینٹے اور خون کی دھار گری، بیان کیا جاتا ہے ترکی کے عجائب گھر میں یہ مصحف آج بھی موجود ہے۔ [۲]: اس کا اصطلاحی نام ان کے یہاں اصطباغ۔

رنگ سے مراد دین فطرت گویا ''دین اسلام'' ہے جس کی دعوت ہر نبی نے اپنے اپنے زمانے میں اپنی اپنی اُمّت کو دی۔ یہی تو دعوت توحید ہے۔ ﴿اَتُحَآجُّوْنَنَا﴾ کیا تم جھگڑتے ہو، قواعد کے مطابق مضارع جمع حاضر، مذکر کا صیغہ۔ ﴿اَعْمَالُ﴾ عمل، اس کا واحد ہے، کام، وہ فعل جو بالقصد سرزد ہو، خواہ اس کی نوعیت کچھ بھی ہو۔ اچھی، بُری ﴿کَتَمَ﴾ چھپا، مخفی رہا ماضی واحد مذکر غائب ﴿کَسَبْتُمْ﴾ تم نے کمایا ماضی جمع مذکر حاضر۔ ﴿بِغَافِلٍ﴾ بے خبر، قواعد کے مطابق اسم فاعل ہے۔ ﴿کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ﴾ وہ عمل کرتے تھے فعل ماضی استمراری ہے۔

تشریح وتوضیحات آیت ۱۳۷ تا ۱۴۱

اِن آیاتِ مبارکہ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ جس طرح سے صحابہ رضی اللہ عنہم تم پر ایمان لائے اگر وہ اسی طرح (وہ لوگ) ایمان لائیں تو یہ بات یقینی ہے کہ وہ ہدایت یافتہ ہوجائیں گے اگر وہ ضِد اور ہٹ دھرمی اور اختلاف میں مُبتلا ہیں تو گھبرانے کی قطعی کوئی ضرورت نہیں ان کی سازش اور ہٹ دھرمی آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی؟ جب سب کا رب ایک ہے اور ہر انسان اپنے عمل کا خود ذمہ دار ہے تو پھر اللہ جل شانہٗ اور اس کے دین کے نام پر یہ جھگڑے کیسے؟ اگر تم نے اپنی بندگی کو منقسم کر رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو شریک جان کر اس کی پرستش اور فرمانبرداری کرتے ہو تو یہ اپنا تمہارا اختیار ہے اس کا انجام خود دیکھ لو گے۔

چند سالوں میں ہوا یوں کہ بنوقینقاع اور بنونضیر کو جلاوطن کر دیا گیا اور بنوقریظہ قتل ہوئے۔ لیکن ہم نے اپنی بندگی اور اطاعت کو بالکل اللہ ہی کے لئے خالص کر دیا ہے، ہم تو اسی کے لئے اخلاص عمل کا اہتمام اور انصرام کرنے والے ہیں۔

یاد رکھو! سچائی، صداقت اور اس کی حقیقت کو جانتے بوجھتے ہوئے پوشیدہ رکھنا عیاں نہ کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک گناہِ عظیم ہے کیا تم نہیں جانتے جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں۔

آیت ۱۴۰ میں یہود و نصاریٰ سے خطاب ہے کہ تمہارا یہ کہنا کہ اَنبیاء اور ان کی اولاد یہودی اور عیسائی تھے، تم ہی کہو! زیادہ علم باری تعالیٰ جانتا ہے یا تم، تمہیں پتہ ہے یہ انبیاء یہودی اور عیسائی نہیں تھے اسی طرح تمہاری کتب سماوی میں حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی نشانیاں موجود ہیں لیکن وائے ظُلم! تم اِن شہادتوں کو چھپا کر مخفی رکھ کر ایک عظیم گناہ کا اِرتکاب کر رہے ہو۔

آیت ۱۴۱ میں ایک مرتبہ پھر یہود و نصاریٰ سے کہا جا رہا ہے کہ ربّ کے نزدیک کسی کے اباؤاجداد کا صالح ہونا یا گُمراہی میں رہنا بد ہونا کوئی اہمیّت کا حامل نہیں ہر ایک کے لئے صرف اس کا اپنا عمل ہے اگر وہ باری تعالیٰ کی سچائی اور ہدایت کو جان گیا یا یوں کہیے مان گیا تو اس کا اَجر وثواب ربّ کے یہاں عطا ہوگا گویا اس آیت مبارکہ میں کسب وعمل کی اُہمیّت کا بیان ہے۔ اَسلاف کے عملوں کے بابت تم سے یا تمہارے عمل کے بارے میں ان سے سوال نہیں کیا جائے گا کیونکہ صحیح مسلم شریف کتاب الذکر والدعا میں بیان ہے۔

''جس کو اس کا عمل پیچھے چھوڑ گیا اس کا نسب اسے آگے نہیں بڑھائے گا'' (بحوالہ مسلم)

سورۃ فاطر آیت ۱۸ ر میں ارشاد ربّی ہے۔

''وَلَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی'' پارہ ۲۲ ومن یقنت

''کوئی بھی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا'' آیت ۱۸ سورۃ الفاطر

پارہ اوّل سورۃ البقرہ سلسلہ وار سورت ۲

خلاصہ آیت ۱ تا ۱۴۱ اَلْجُزْءُ الْاَوَّل (پارہ اوّل کے مضامین کا خلاصہ)

عذر ہائے من پذیر

ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ ۛ فِيهِ ۛ

پارہ اوّل الٓمّٓ

کے مطالعہ مضامین پر ایک تجزیاتی اور اجمالی نظر

الحمدللہ! مجھے زندگی میں جو کچھ ملا رزق، اولاد، عزت، قلم، یہ سب اللہ جل شانہٗ کے انعامات ہیں اللہ جل شانہٗ کا لاکھ لاکھ شکر اور احسان ہے یہ سب کچھ نعمتیں اللہ کے سواء مجھے کوئی نہیں دے سکتا، یقین تو کیجئے! سچ کہتا ہوں۔

ع　　کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

میں نے اپنے ہی وجود سے اپنے رب کو جانا ہے۔ اللہ کا کس قدر احسان ہے مجھ عاصی پر، مجھے مضامین قرآن کے مطالعہ کی نعمت اور سعادت ملی۔ زمزم کا صدیوں سے اُبلنا، اس کے پانی کا ختم نہ ہونا بالکل اسی طرح قرآن کی عظمت کا احساس، اس کا مطالعہ، اس پر غور وفکر، قرآن کے پارہ اوّل کا مطالعہ، اس کے مضامین کے مطالعہ کی سعادت، اللہ تعالیٰ کی شانِ کریمی نہیں تو اور کیا ہے۔ خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ سے نسبتِ خاص، محبت کی سعادت، نسبت کی سعادت، عطا کی سعادت عشقِ رسول ﷺ کا اظہار وذکر، اور میرا قلم، میرا بیان، میری اپنی دنیا سنوارنے اور آخرت کا توشہ پانا نہیں تو اور کیا ہے! میرے چمنِ خیال میں جو کچھ تھا جو کچھ ہے روشنی کے اس سفر کو تحریر کی شاخوں پر کھلا دیا ہے۔ اے میرے ربّ اس کو قبول فرما میں جو قرآن کے مضامین لکھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اپنی بخشش کے لئے لکھنا چاہتا ہوں۔

اے اللہ تیرے حکم کے مطابق تیرے محبوب ﷺ کے ذکر کو عام کرنا چاہتا ہوں تیری عطائے کرم اور رحمت کا طالب ہوں۔ کتاب رشد وہدایت قرآن حکیم کا مطالعہ مضامین میری زندگی کا مقصد ہے۔

میری زندگی کا مقصد تیرے دین کی سرفرازی
میں اسی لئے مسلماں، میں اسی لئے نمازی　　اقبالؔ

اس میں کوئی شک نہیں! یہ کتاب راہِ ہدایت ہے

سورۂ بقرہ کے آغاز میں اللہ تعالیٰ نے بیان کر دیا ہے، اس میں کوئی شک نہیں یہ کتاب راہِ ہدایت ہے۔ گویا قرآن حکیم ایک ایسی کتاب ہے جس کو باری تعالیٰ نے انسانوں کو ہدایت اور رہبری کے لئے نازل کیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں! جو مضامین / واقعات بیان کئے گئے ہیں ان کی سچائی اور صداقت میں قطعی شک کی کوئی گنجائش نہیں پہلے رکوع میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو عقائد

اور اعمال کے لحاظ سے تین درجات میں منقسم کیا ہے۔

۱)......ایمان لانے والے لوگ۔

۲)......دوسرے جنہوں نے انکار کیا۔

۳)......جو ایمان اور کفر کے مابین ہیں گویا منافق۔

متّقی / پرہیز گار کون ہیں؟

متّقی / پرہیز گار وہ لوگ ہیں جو غیب کی باتوں پر ایمان رکھتے ہوں، جن کا ذات باری تعالیٰ کی صفات، ملائکہ، بہشت اور جہنّم پر ایمان ہو۔ ایمان لانے کے بعد ساری زندگی ایمان ویقین سے اِن تعلیمات کا سچّا نمونہ بن جاتی ہے اطاعت اللہ کے بعد، اطاعت رسول ان کا مقصد حیات ہے۔ نماز کی پابندی کرتے ہیں، اور نماز باجماعت کا اہتمام اور انصرام کرتے ہیں، جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا کیا ہے اس میں خرچ کرتے ہیں زکوٰۃ کی ادائیگی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل و تکمیل میں حقوق العباد ادا کرتے ہیں، ان تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں جو کتب سماوی مختلف دور میں انبیاء علیہم السلام کرام پر نازل ہوئیں اور اس کتاب پر یقین کامل جو نبی اکرم ﷺ پر نازل ہوئی۔ آخرت کی زندگی کا احساس یقین، آخرت پر ایمان، اور اس بات کا یقین کامل کہ ایک روز سب عمل جو انسان کرتا ہے اس کا مواخذہ ہوگا۔ اور روزِ جزا اس کا حساب دینا ہے۔ تمام نظام عالم کو فنا ہونا ہے اس کائنات کے ختم ہونے کے بعد ہر نفس کو اچھے عمل اور بُرے عمل کا بدلہ دیا جائے گا۔ نیک لوگ جنت کے حق دار ہوں گے اور گُمراہ لوگ دُوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے۔

آخرت کی کامیابی وکامرانی کا معیار دنیا کی خوش حال زندگی یا بدحالی پر نہ ہوگا بلکہ جس کو اللہ تعالیٰ یوم قیامت کامیاب قرار دیں گے درحقیقت وہی اصل فلاح وصلاح پانے والے ہوں گے۔ جو لوگ ان باتوں پر یقین رکھنے کے قائل نہیں وہ قرآن کی تعلیمات سے فیض یاب نہیں ہوسکتے۔ ایسے لوگ انکار کرنے والے (کافر) ہیں جو ان بنیادی باتوں کو ماننے سے انکار کرتے ہیں وہ اپنی خواہشات کا راستہ خود اختیار کرلیتے ہیں آپ کی کوئی بات ان کی سمجھ میں آنے کی نہیں! کفر و معصیت کے مسلسل اِرتکاب کی بناء پر ان کے دلوں سے قبولِ حق کی استعداد ختم ہوچکی ہے آپ کی باتوں کے لئے ان کے کان بہرے ہیں اور آپ کے طریقہ کی اچھائیوں کو پانے کے لئے ان کی آنکھیں اندھی ہوجائیں گی یوں محسوس کیجیے کہ ان کے دلوں پر مہر ثبت ہوگئی ہے۔

منافق کون ہیں؟

منافق کا حال سورۂ بقرہ کے دوسرے رکوع میں تیرہ آیات میں بیان ہوا ہے مُنافق کا مادہ نَفَقَ سے ہے۔ مُنافِق اُیسے گُروہ کے لئے مستعمل ہے جو زبان سے اسلام کا اقرار تو کرلے مگر دل سے اسلام کا قائل نہ ہو، بالفاظ دیگر مسلمانوں کے خلافِ کِذب دھوکہ دہی اور غلط الزامات لگا کر خُفیہ اور پوشیدہ چال چل کر ان کو مٹانے کی کوشش میں ہَمہ تن مَصروف عمل رہے ایسے لوگوں کا شمار کافروں سے بدتر ہے منافق تو وہ ہے جو اسلام کا مُنکر ہو صرف مسلمانوں میں اپنی توقیر ظاہر کرنے کے لئے کلمہ پڑھتے ہیں ان کا کہنا تو یہ ہوتا ہے کہ ہم اللہ اور اللہ کے رسول محمد ﷺ کو مانتے ہیں آخرت کو تسلیم کرتے ہیں لیکن ان کا عمل اس کے خلاف ہوتا ہے یہ

مسلمانوں سے اپنے مفاد کی خاطر اور تنقید اور گرفت سے بچاؤ کی خاطر مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہو جاتے ہیں دوسری جانب مخالفین سے رابطہ رکھ کر اُن سے بھی نفع حاصل کرتے ہیں۔ اُن کی یہ بیماری جس کو نفاق کا نام دیا جاتا ہے اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ وہ نیکی، اچھائی اور بُرائی میں امتیاز نہیں برتتے۔ اور جب ان کو انتشار اور فسق وفجور سے روکا جاتا ہے تو ان کا یہ جملہ ہوتا ہے کہ ہم تو عوام کی فلاح وصلاح کی خاطر سب کچھ کر رہے ہیں۔ ان کی اس روش کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ غیر مسلم اور کافر یہ گمان کرنے لگتے ہیں اسلام میں کوئی خوبی نہیں ہے۔ معاذ اللہ

منافق کی یہ علامت بھی ہوتی ہے کہ وہ دنیاوی فائدے کی خاطر اپنے آبائی تصوّرات فکر اور رسم ورواج چھوڑنے اور اسلام کے ضابطہ اصول کی پابندیاں قبول کرتے ہوئے حقوق وفرائض کی ذمہ داری اٹھانے کے لئے آمادہ نہیں ہوتے۔ کتنے معصوم ہیں شعلہ کو ہوا دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو جب بتایا جاتا ہے کہ اسلام کی صداقت اور اخلاص کو خلوصِ نیّت سے قبول کرو تو وہ مسلمانوں کو جو صدقِ دل سے اسلام کی تعلیمات کو شعارِ زندگی بناتے ہیں آلام اور مصائب میں مبتلا دیکھتے ہیں تو ان کا تمسخر اُڑاتے ہیں اور کہتے ہیں۔ مسلمان تو احمق ہیں! کیا ہم ان کی طرح ایمان۔ لے آئیں ان کے اس قول وفکر کا جواب باری تعالیٰ نے خود ہی دیا ہے یہی لوگ درحقیقت احمق ربیوقوف ہیں۔ کیونکہ سچائی، حق کا بالآخر غالب آنا امر یقینی ہے چونکہ ان کا یقین آخرت کی زندگی پر نہیں ہے اس لئے وہ ایسی گفتگو کرتے ہیں۔ مفاد کی خاطر مسلمانوں سے میل ملاپ رکھتے ہیں اور کہتے ہیں ہم آپ کے ساتھ ساتھ ہیں اور اسلام کے مخالفین سے خلوت اور تنہائی میں ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم تو ان کو فریب دے رہے ہیں۔ ان کے اندرونی حالات حلوم کرنے کے لئے ہمارا ان سے ملنا جلنا ہے تاکہ آپ کو ان کی باتوں سے آشکار کریں۔ سچی بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے مذاق رتمسخر کو انہی پر الٹ دیا۔ جو بات دنیا میں ان کو نفع بخش لگی وہی ان کے لئے نقصان اور خسارے کا سودا ہے۔ غور فرمائیے سورۃ العصر آیت نمبر ۲ پارہ نمبر ۳۰

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۙ

بے شک ربالیقین انسان سراسر نقصان میں ہے۔ آیت نمبر ۲

ہاں یہ بات تو درست ہے اس نقصان رگھاٹے سے وہ لوگ محفوظ ہیں جو ایمان اور عملِ صالح پر قائم ہوتے ہیں۔ ان کی زندگی چاہے جیسی بھی بسر ہو موت کے بعد بہر نوع وہ ابدی نعمتوں سے سرفراز اور جنّت کی پُر آسائش زندگی کے مستحق ہوں گے۔

ایسے ہی منافقوں کی بابت دوسرے رکوع کی آخری آیات میں منافقوں کو باری تعالیٰ نے مثالیں بیان کر کے سمجھایا ہے منافقین کی مثال تو یہ ہے کہ ایک بندے نے کفر کی تاریکیوں سے اسلام کی شمع روشن کی۔ ”وہ شمع اجالا کس نے کیا چالیس برس تک غاروں میں“ اور دعوتِ حق، دعوتِ اسلام دی اور تمام ماحول روشنی سے منوّر ہو گیا اور لوگوں میں نیکی، بدی، حق وباطل کا امتیاز پیدا کر دیا تو یہ منافق جو اپنی خواہش نفس کے پجاری ہیں ان کو اس نور کے ماحول میں کچھ بھی تو نظر نہیں آیا۔ وہ اس راستے میں بھٹکے پھرتے رہے جو ظلمت اور تاریکی کا راستہ تھا۔ اسلام کے نورِ شمع سے یہ قطعی محروم رہے اور اپنی اصل کیفیّت میں مسلمانوں کے سامنے عیاں ہو گئے اور اب اس قابل بھی نہیں رہے کہ مسلمانوں کو فریب دے سکیں، یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اب اُن کا حال یہ ہے کہ ان کے کان حق بات کی سماعت کے لئے بہرے، زبان حق بات کی لطافت سے محروم، اور گونگی اور آنکھیں ہیں کہ حق کی روشنی حاصل کرنے سے

قطعی محروم اور اندھی ہیں۔

مُنافقین کا ایسا گُروہ جو اسلام کا تو قائل ہے اسلامی طرزِ عمل وفکر کے راستے پر چلنے سے گریزاں ،یعنی جہاد فی سبیل اللہ اور قربانی دینے کے لئے آمادہ نہیں یہ اور بات ہے کہ جب کمزور اور ضَعِیفُ الاِیمان منافق کو اسلام میں فائدہ نظر آئے تو اس طرف لپک پڑتا ہے مگر جب اسلام کسی قربانی رایثار کا مطالبہ کرتا ہے تو حسبِ عادت ،حسبِ روایت پیچھے ہٹ جاتا ہے اور شک اور تذبذب کا شکار ہو جاتا ہے ان کے اپنے تخیل خیال یا خواہشات کے خلاف کوئی بات کہتا ہے تو یہ حیران اور سرگراں کھڑے ہو جاتے ہیں۔ دوسرے رکوع میں ہدایت اور ضلالت کے اعتبار سے منافقین کے تین گروہوں کا تذکرہ بیان ہوا ہے۔مُنافقین کا گُروہ آخر دقت تک تذبذب اور گومگو میں مُبتلا رہتا ہے اور قبولِ حق اسلام سے محروم رہتا ہے۔

دعوتِ قرآن

سورۂ بقرہ پارہ اوّل کے تیسرے رکوع میں تمام نبی نوع انسان کو قرآن حکیم کی اصل دعوت دی جارہی ہے۔ دعوت قرآن یہ ہے کہ جب تمہارا اور کائنات کا خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہے تمہاری تمام ضرورتوں کا کفیل اللہ تعالیٰ ہے تو پھر اسے چھوڑ کر دوسروں کی عبادت کیوں کرتے ہو۔ دوسروں کو اس کا شریک کیوں ٹھہراتے ہو اگر تم اللہ تعالیٰ کے عذاب سے محفوظ رہنا چاہتے ہو تو صرف ایک طریقہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو مانو۔ جان لو! اللہ تعالیٰ ایک ہے اور صرف اسی کی عبادت کرو! جانتے بوجھتے شرک کا اِرتکاب مت کرو۔ یہ تو ظلمِ عظیم ہے۔ بقول فارسی شاعر

زندگی　آمد　برائے　بندگی
زندگی　بے　بندگی　شرمندگی

اگر تمہیں کچھ شک ہے کہ یہ کلام اللہ نہیں تو اس جیسی کتاب یا ایک ہی آیت پیش کر کے دکھاؤ تو سہی لیکن تم ایسا نہ کر سکو گے تاریخ گواہ ہے! آج تک کوئی بھی قرآن کے اس چیلنج رللکار کا جواب نہ دے سکا اور نہ قیامت تک دے سکتا ہے۔

قرآن کا یہ مُعجزہ ہے کہ کم عرصہ میں سرزمینِ عرب کے خطّے میں اَن پڑھ لوگوں میں حیرت انگیز تبدیلی رُونما کردی۔ اہل عرب فصاحت وبلاغت پر نازاں تھے لیکن وہ بھی اس قرآنی چیلنج کا جواب دینے سے قاصر رہے۔ دعوت قرآن یہ ہے کہ کلام اللہ برحق ہے اور صداقت پر مبنی ،جس طرح اس سچائی میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں! اسی طرح رسالت مآب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی نبوت برحق ،ان کی تعلیمات قیامت تک کے لئے تمام انسانوں کے لئے خواہ وہ دنیا کے کسی گوشے میں رہتے ہوں ہدایت اور نجات کا ذریعہ ہے۔ جو لوگ ان کی تعلیمات کو تسلیم کر کے عمل پیرا ہوں گے ،ان کے لئے دنیا بھی باعثِ راحت اور اچھی اور انہیں بہشت جیسی زندگی کی بشارت ہے اور آخرت میں جنّت کے باغ اور نہریں اور آرام کا مژدہ جانفزا۔

اللہ تعالیٰ کی ہدایت فاسق لوگوں کو نہیں ملتی!

کون نہیں جانتا اللہ تعالیٰ کی ہدایت فاسق لوگوں کو نہیں ملتی جو لوگ ایمان لانا نہیں چاہتے یا جن کے دلوں میں کَجی ہے وہ سیدھی سادی اور واضح بات کو بھی [illegible]

کسی خاص بات کی وضاحت کی خاطر، مچھر، مکھی، عنکبوت رمکڑی جیسی مخلوق کو بطور مثال بیان کیا ہے لیکن ایسے لوگوں کو اس بات پر اعتراض ہوتا ہے کہ اگر یہ کلام اللہ ہوتا تو اتنی عظیم ذات کے نازل کئے ہوئے کلام میں چھوٹی چھوٹی چیزوں کی مثالیں نہ ہوتیں۔ سچی بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ مثالوں سے اہل ایمان کے ایمان میں مزید اضافہ اور اہل کفر کے کفر میں اضافہ ہوتا ہے۔

چونکہ گمُراہ لوگوں کے اندر حق کی طلب اور نیکی کرنے کی جستجو نہیں ہے اور جو حق کے طالب ہیں ان کو ان ہی باتوں میں حکمت کے انمول موتی نظر آتے ہیں وہ کہتے ہیں یہ سب ربّ کی طرف سے ہے لیکن جن لوگوں نے اپنے لئے خود غلط راستہ چُن لیا۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت نہیں دیتا اور اللہ تعالیٰ گمراہ بھی فاسق لوگوں کو ہی کرتا ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے گمراہ اور فاسق لوگ کون ہیں؟ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اقرار بندگی اور اطاعت کا عزم کر چکے ہیں لیکن اس عہد کو توڑ دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری کے بجائے اپنی خواہشات نَفس اور لَادِینی نظریات کی پیروی کرنے لگتے ہیں۔

فَاسق لوگ دنیا اور آخرت میں خسارے میں ہیں

فاسق لوگ دنیا اور آخرت میں خسارے رگھاٹے میں ہیں فاسق لوگوں کی یہ علامت بھی ہے کہ وہ رشتے جن پر تمدّن انسانی کا دارومدار ہے ان تمام رشتوں سے بے نیاز ہو کر تمدن کو فتنہ وفساد کی راہ دکھاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ایسے ہی فاسق لوگ دنیا اور آخرت میں نقصان رگھاٹے میں سراسر ہیں۔ کیونکہ یہ ربّ اور بندے کے تعلق اور انسان کے مابیّن تعلق کو بگاڑتے ہیں۔ اور دنیا میں فَساد برپا کرتے ہیں۔ تم اللہ جل شانہٗ کا انکار کیوں کر کر سکتے ہو۔ زمین میں جو کچھ ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا' پہلے کچھ نہ تھا کچھ نہ تھا تو خدا تھا، کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا کے مصداق، اللہ تعالیٰ نے انسان کو تخلیق کیا، زمین اور آسمان کی نعمتیں پیدا کیں تاکہ انسان اس سے مُستفیض ہو سکے۔ کون نہیں جانتا! انسان اس زمین کی پیدا کردہ چیزوں سے نفع پا رہا ہے تم ہی بتاؤ یہ ماجرا کیا ہے! تم اللہ جل شانہٗ کی ہستی کے کیوں منکر ہو! یہ تو مان لو! تم بے جان تھے اس نے جس طرح تم کو پہلی دفعہ پیدا کیا۔ وہ اسی طرح قادر ہے زندگی کے بعد موت دے گا اور پھر نئی زندگی عطا کرے گا' آخر کار تمہیں اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ ذرا غور و فکر کا دامن تھام لو تمہیں آخرت کی زندگی کے لئے ابھی تیاری کر لینی چاہیئے۔

هو الذى خلق لكم ما فى الارض جميعاً ق آیت ۲۹

''وہی ہے جس نے تمہارے واسطے پیدا کیا، جو کچھ زمین میں ہے''

اس آیت میں دوسری نعمت کا تذکرہ فرمایا ہے گویا اللہ جل شانہٗ نے تم کو پیدا کیا' اور تمہاری بقا اور اِنْتِفَاعْ کے لئے زمین میں اہم نوعیت کی چیزیں بکثرت پیدا کیں' اس کے بعد متعدد آسمان بنائے گئے، جس میں تمہارے لئے طرح طرح کے فائدے ہیں۔

چوتھے رکوع کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے اس رکوع میں انسان کے اس مقامِ حقیقی کا تذکرہ بیان ہوا ہے بالفاظ دیگر اللہ کا بندہ ہونے اور اس کے نائب ہونے کا ذکر آیا ہے۔ جس سے بنی نوع انسان کی تاریخ ان اوراق کا اعادہ کرتی ہے جن کے مطالعہ میں تاریخ اور سائنس کے طالب علم جستجو عمل و فکر میں مصروف ہیں سچی بات تو یہ ہے کہ قرآن حکیم نے جن حقائق سے پردہ اٹھایا اور وضاحت کی ہے وہ سب حقیقت پر مبنی ہے۔

رَبّ نے فرشتوں سے کہا میں اپنا خلیفہ / نائب بنانا چاہتا ہوں

یہ بات سمجھ لینے کی ہے کہ جب زمین و آسمان اور اس کائنات کی جملہ چیزوں کی اللہ جل شانہٗ نے تخلیق کی، اور ہر شے نے اپنے اپنے فرائض اور امور سرانجام دینے کا کام شروع کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے مخاطب ہو کر کہا "میں زمین میں اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں یہ زمین پر میرا نائب ہوگا اور میرے عطا کردہ اختیارات کو میری منشاء اور مرضی کے مطابق بروئے کار لائے گا اور سرانجام دے گا۔

ملائکہ نے التجاء کے انداز میں کہا "ہمیں ڈر اور خوف / خطرہ ہے کہ یہ مخلوق تیری باری تعالیٰ زمین میں فتنہ وفساد اور خون ریزی کی مرتکب نہ ہو جائے" اے ربّ جلیل ہم تو ہمہ وقت تیری حمد وثناء اور تقدّس کے لئے حاضر رہتے ہیں باری تعالیٰ کا ارشاد ہوا کہ "جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے"

تمام فرشتے تقدسِ آدم مان کر سجدے میں گر گئے، ابلیس نے انکار کیا

اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے سیدنا آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کا علم دیا۔ جس کی ان کو کائنات میں ضرورت تھی۔ اور مٹی سے تخلیق کرنے کے بعد اس میں ہر نوعیت کی خواہشات میلانات طبع، دنیاوی زندگی کے امور کی تعمیر وترتیب، ارتقاء زندگی کے نشیب وفراز سے حضرت انسان کو روشناس کرایا اور اس کو اختیار دے دیا گیا کہ وہ نیکی اور بھلائی کا راستہ اختیار کرے یا بدی کی راہ کو اپنا شعار بنائے۔

ملائکہ کو سمجھانے کی خاطر باری تعالیٰ نے سوال کیا کہ اگر تم اپنے قول میں صادق ہو تو ان اشیاء کے نام بتاؤ فرشتوں نے کہا "آپ نے جتنا علم ہمیں عطا کیا ہے اس سے زیادہ ہم نہیں جانتے' اللہ جل شانہٗ نے حضرت آدم علیہ السلام کی افضلیت برقرار رکھنے کی خاطر فرمایا۔ ان سب کے نام سے آگاہ کر، حضرت آدم علیہ السلام نے تمام اشیاء کے نام بتا دیئے اور حقیقتوں کی وضاحت کی گویا اس طرح ربّ کریم نے ایک تو فرشتوں پر حکمت تخلیق آدم علیہ السلام کی وضاحت کر دی دوسرے دنیا کا نظام وانصرام چلانے کے لئے علم کی افادیت، اہمیت، اور فضیلت کا برملا اظہار کیا یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ جب یہ حکمت وافادیت علم فرشتوں پر ظاہر اور عیاں ہوئی تو انہوں نے اپنے قصور علم وفہم کو تسلیم کر لیا۔ اس حقیقت سے اس بات کا بھی پتہ چلا کہ عالم الغیب صرف اللہ جل شانہٗ کی ذات ہے اللہ تعالیٰ کے نیک اور برگزیدہ بندوں کو بھی اتنا ہی کچھ علم ہوتا ہے جتنا باری تعالیٰ انہیں عطا کرتا ہے۔ سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۳۴ میں حکم ہوا۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ

"اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا آدمؑ کو سجدہ کرو"[1]

گویا وہ حضرت آدم علیہ السلام کی بزرگی کو تسلیم کر کے ان کے آگے جھک جائیں پھر تمام فرشتے حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ ریز ہو گئے لیکن ابلیس لعین نے انکار کر دیا کیونکہ اس کی تخلیق آگ سے ہوئی تھی اور وہ جنات / جنوں میں سے تھا اس نے کفر اور تکبر کیا۔ باری تعالیٰ نے اس انکار کے سبب ابلیس کو تا قیامت اپنی لعنت کا مستحق قرار دیا اور وہ کافروں میں ہو گیا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدم علیہ السلام اور حضرت حوا کو بہ غرض امتحان بہشت میں رکھا ایک مخصوص درخت (گندم) یا انگور مراد ہے

[1]: پھر سجدے کا حکم تمام ملائکہ کو [illegible] حضرت جبریل پھر میکائیل پھر اسرافیل اور

(بحوالہ جلالین) کے بابت حکم صادر کیا کہ اس کے قریب نہ جاؤ ورنہ نافرمانوں میں شمار ہو جائیں گے لیکن ابلیس نے جو ازلی دشمن ہو چکا تھا، بڑے پُر فریب اور مکّاری کے انداز میں درخت کا پھل کھانے کے لئے بہکایا۔ اور حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا نے فریب کھا کر اس درخت کا پھل کھا ہی لیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تم سب بہشت سے نکل جاؤ اور زمین پر ایک وقتِ مُقررہ (معین) تک زندگی گزارو۔ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو۔ آخر کار تمہیں میرے پاس آنا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی خطا کا شدید احساس ہوا تو توبہ و استغفار کی۔

حضرت آدم علیہ السلام عالم پشیمانی میں ڈوبے ہوئے دنیا میں تشریف لائے تو حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی خطا رغلطی کا شدید احساس ہوا تو توبہ و استغفار میں مصروف ہو گئے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے زمین پر آنے کے بعد تین سو برس تک حیاء[1] آسمان کی طرف سر نہ اٹھایا۔ گو کہ حضرت داؤد علیہ السلام کثیر البکا[2] تھے۔ آپ کے آنسو تمام اہلِ زمین کے آنسوؤں سے زیادہ ہیں مگر حقیقت احوال یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اس قدر روئے کہ آپ کے آنسو حضرت داؤد علیہ السلام اور تمام زمین والوں کے مجموعے سے بڑھ گئے۔ (بحوالہ خازن)

حضرت آدم کو چند کلمات رکلمے القا اور الہام کے طور پر بتائے گئے

اللہ تعالیٰ نے ان کو توبہ کے چند کلمات سکھائے۔[3] حضرت آدم علیہ السلام کو چند کلمات رکلمے القا اور الہام کے طور پر بتائے گئے اور ان کی توبہ قبول کرلی۔ جو سورۃ الاعراف پارہ نمبر ۸ وَلَوْ اَنَّنَا آیت نمبر ۲۳ میں ہے۔

رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا سکتہ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۲۳

اے ہمارے ربّ ہم نے اپنا نقصان کیا اور اگر تو ہماری مغفرت نہ کرے گا اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو واقعی ہم خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

یہ دعا مقبول و مبرُور ہونے کے بعد اللہ جل شانہ نے انہیں دوبارہ بہشت میں آباد کرنے کے بجائے دنیا میں رہ کر بہشت کے حصول کی تلقین اور تعلیم فرمائی اور سیدنا آدم علیہ السلام کے واسطے سے تمام بنو آدم کو بہشت کا یہ راستہ دکھایا جارہا ہے۔ کہ انبیاء کے ذریعہ سے میری ہدایت اور زیست بسر کرنے کے احکام و ضابطہ زندگی تم تک پہنچیں گے جو اس کو تسلیم کرے گا وہ جنت کا حق دار بصورت دیگر اللہ تعالیٰ کے عذاب کا مستحق ہوگا۔ جس نے میری ہدایت کی پیروی کی، پس نہ وہ دنیا میں گمراہ ہوگا، اور نہ وہ آخرت میں بد بخت۔ (بحوالہ ابن کثیر)

گویا یہ بات بتائی جارہی ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور اطاعت پر عمل پیرا ہوں گے پھر ان کو اس اصلی گھر جنّت میں جگہ دوں گا۔ اور ان کو کسی قسم کا خوف، حزن و ملال نہ ہوگا اور وہ ہمیشہ وہیں رہیں گے۔ سبحان اللہ

لیکن جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کو تسلیم نہ کیا اور اس کا حکم نہ مانا وہ دنیا میں بے کیفی بے اطمینانی، ذِلّت اور گمراہی کی زندگی گزاریں گے اور آخرت میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے "عذاب الیم" دردناک عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

[1]: حیاء رشرم کی وجہ سے [2]: کثیر البکا، کثرت سے رونے والا،

[3]: بحوالہ آیت ۳۷ سورۃ البقرہ۔

بنی اسرائیل / حضرت یعقوبؑ کی اولاد یہود سے خطاب

کون نہیں جانتا، یہود کو عرب میں اہلِ عرب کی گذشتہ تاریخ اور علم و فضل اور مذہب سے واقفیت اور وابستگی کی وجہ سے ایک خاص مقام حاصل ہے اگر آپ پارہ اول الٓمّٓ سورہ بقرہ کے پانچویں رکوع سے چودھویں رکوع کی آیات پر مطالعہ کے لئے اپنی توجہ مرکوز رکھیں تو آپ کو معلوم ہوگا ان آیات مبارکہ میں مسلسل خطاب بنی اسرائیل / اولاد یعقوب علیہ السلام اور یہود سے ہے۔ کسے خبر نہیں یہ قوم، تاریخ انسانی کے آئینے میں کئی ہزار سال تک بنی نوع انسان کے سامنے ترقی و کامیابی کامرانی کے ساتھ بربادی و تنزّل کا عبرتناک انجام کا نمونہ اور شکار رہی۔ تاریخ بنی اسرائیل کے عبرتناک پہلو اور باب کا بیان قرآن مجید میں بیان کرنے کی ایک غرض یہ بھی تھی کہ وہ اپنی بُرائیوں سے باز آ کر ایمان لے آئیں۔

بنی اسرائیل اپنے انبیاء کرام کی تعلیمات سے منہ موڑ کر اپنی خواہش نفس کے عادی ہو گئے اور اُن کی تعلیمات میں تحریف کر کے اصل دین سے بے نیاز ہو گئے اور آپس میں فتنہ و فساد میں مُبتلا ہو کر لڑنے جھگڑنے کی طرف مائل ہو گئے۔ اصل دین کو بھلا دینے اور لڑنے جھگڑنے کے سبب کچھ عرصہ بعد اہلِ مصر نے ان کو مغلوب کر لیا گویا ان کو اپنی غلامی میں لے کر ظلم و جبر کا نشانہ بنایا بالآخر سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے ان کو اس غلامی سے آزاد کیا۔ تاریخ شاہد ہے کہ بنی اسرائیل کا اچھا ترین دُور حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا زمانہ تھا اس دوران ان پر انعامات و اکرامات کی نوازش ہوئی پھر دین سے انحراف نے کی بناء پر آپس میں اختلاف کے سبب پھوٹ پڑ گئی۔ فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں کے مصداق، وہ انبیاء اکرام کے بھی عدو / دشمن ہو گئے اور ان میں سے بعض کو قتل کرنے کا بھی ارتکاب کیا غالباً اسی وجہ سے اُن پر پھر مصائب اور آلام کے پہاڑ ٹوٹے اور ان پر عذاب نازل ہوا۔

اللہ کی نعمتوں کو یاد کرنے کا حکم

آیت نمبر ۴۰ / ۴۱ میں اظہار بیان یہ ہے کہ تم نعمت باری تعالیٰ کو یاد کرو جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا کی ہیں اور تم میرا وہ عہد پورا کرو جو تم سے خاتم النبیین کی نبوّت اور ان پر ایمان لانے کے بارے میں لیا گیا ہے اور اس کتاب پر ایمان لاؤ جو میں نے تمہاری کتابوں کی تصدیق میں اتاری ہے احکام باری تعالیٰ کے مقابلے میں دنیاوی مفادات کو ترجیح نہ دو احکامات ربِ جلیل اتنی نعمت عظیم ہے کہ ساری دنیا کا مال و متاع بھی کچھ نہیں ہے یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ آیتِ مبارکہ میں اصل خطاب تو بنی اسرائیل سے ہے لیکن یہ حکم قیامت تک آنے والوں کے لئے صادر ہوا ہے۔

نماز باجماعت کا اہتمام کرو

نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دیتے رہا کرو اور نماز باجماعت کا اہتمام اور انصرام کرو اس سے قبل یہ بات وضاحت کے ساتھ بتائی گئی کہ مت ملاؤ، صحیح میں غلط، اور سچ کو مت چھپاؤ جانتے بوجھتے ہوئے، ماحصل گفتگو یہی ہے کہ تمام اصول میں پیروی حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی لازم ہے نماز کی ادائیگی بھی آپ ﷺ کے طریقہ سنت کو اپناتے ہوئے کرو۔ جس میں جماعت کا اہتمام بھی ہو اور رکوع بھی، یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ پہلے دین میں نماز باجماعت نہیں تھی اور یہود کی نماز میں تو رکوع بھی نہ تھا۔

ع   عمل سے زندگی بنتی ہے جنّت بھی جہنّم بھی

حقیقت تو یہ ہے کہ صرف تبلیغ کا فریضہ ہی سرانجام دینا کافی نہیں عمل بھی لازمی وضروری ہے حقیقت تو یہ ہے عمل سے زندگی بنتی ہے اکثر علماء یہود، ویسے تو لوگوں سے کہا کرتے تھے دین اسلام سچا اور اچھا دین ہے اور خود مسلمان نہ ہوتے، آیت ۴۴ میں حکم ہے۔

"اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ"

"کیا تم لوگوں کو بھلائیوں (نیکیوں) کا حکم کرتے ہو اور خود اپنے تائیں اپنے آپ کو بھول جاتے ہو"

مانا کہ حق کو قبول کرنے میں تمھیں مصائب اور مشکلات کا سامنا ہے لیکن کچھ اِس کا بھی اے چارہ گراں علاج ہے کہ انہیں کے مصداق اس کا علاج ہے دشواری اور مشکلات میں نجات پانے کا اور دردِ دل کے لئے ایک دوا ہے اور وہ علاج صبر اور نماز ہے۔ ذرا صبر اور تحمل سے کام تو لو، نماز کا اہتمام تو کرو، حقیقت احوال تو یہ ہے کہ صبر اور نماز سے زندگی کی تمام مشکلات آسان اور سہل ہو جاتی ہیں۔

ذرا غور تو فرمایئے جب باری تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر انعامات اور اکرامات کی بارش کی تو انھوں نے استبدال نعمت کی روش اختیار کی، گو کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا انعام تھا کہ انہیں فرعون جیسے ماہر اور حاکم کی غلامی سے نجات نصیب ہوئی یہ انعام کیا کچھ کم ہے کہ کتاب وفرقان[1] کا عطیہ نصیب ہوا، لیکن ہائے ان کی کم نصیبی انہوں نے بت پرستی کی راہ اختیار کی۔ اور بچھڑے کو معبود جان کر اللہ جل شانہٗ کے انعامات کی ناشکری کی راہ اختیار کی۔ اللہ تعالیٰ نے حکم صادر فرمایا "اس بچھڑے کو دریا میں ڈال دو اور ان لوگوں کو قتل کر دو جنھوں نے تمھیں یہ راہ دکھائی۔" تب جا کر تمہاری یہ توبہ قبول ومُبرور ہوگی اس کے بعد باری تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی' پھر جزیرہ نمائے سینا میں چالیس برس تک رہے اور بھی بادلوں کے سایہ کا اہتمام ہوا تا کہ دھوپ اور تپش دھوپ سے محفوظ رہیں من وسلویٰ جیسی نعمت عظیم عطا ہوئی پھر انہوں نے شہری زندگی کا مطالبہ کیا تو حکمِ باری تعالیٰ ہوا عجز اور انکساری کا پیکر اپنا کر معافی طلب کرتے ہوئے ایک فاتح قوم کی طرح شہر میں داخل ہو جاؤ تمھیں ہر نوعیت کی نعمتوں سے سرفراز کیا جائے گا لیکن پھر انہوں نے اپنی روش کو نہیں بدلا اور نافرمانی شروع کر دی شکر بجالانے کے بجائے ستم بالائے ستم، یہ کہ اپنی ہٹ دھرمی سے کام لیا۔

دین حق کا انحصار عملِ صالح پر موقوف ہے

یہ ایک حقیقت ہے کہ دین حق کا انحصار ایمان اور عمل صالح پر موقوف ہے اللہ کے نزدیک یہ امر قابلِ تحسین ہے کہ اس کا ایمان اور عمل کیسا ہے عمل کی تکمیل میں نسل، خاندان یا گروہ بندی کا تعلق نہیں ہے بات یہ ہے جب کوئی قوم یا مذہبی گروہ عمل وآزمائش میں پورا عمل پیرا نہ ہو تو وہ خود معتوب، مغضوب اور نامراد ہوگا۔ بنی اسرائیل کی گمراہی یہی تھی کہ اللہ جل شانہٗ سے عہد باندھ کر اس عہد کی خلاف ورزی کرتے تھے۔ (سبت) ہفتہ کو یہودیوں کو مچھلی کے شکار کی ممانعت تھی بلکہ حکم تو یہ تھا کہ ہفتہ کے دن کوئی بھی دنیاوی کام سرانجام نہ دیا جائے لیکن انہوں نے بہانہ اور حیلہ اختیار کر کے اللہ کے حکم سے تجاوز کیا۔ یہودیوں کی نافرمانیوں اور گمراہیوں نے ان کی قلبی اور اخلاقی حالت کو اس درجہ پست کر دیا کہ جہاں توبہ کی استعداد اور عبرت پذیری کی صلاحیت بالکل ختم ہو جاتی ہے اور پھر انسان کو اصلاح احوال کی بہتری کی کوئی اُمید نظر نہیں آتی۔

---

[1] معجزات کو فرقان کہا گیا ہے، معجزات حق وباطل کی شناخت میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

عہدِ رسالت ﷺ میں بنی اسرائیل کی گمراہیوں کا ذکر

عہدِ رسالت ﷺ میں بنی اسرائیل کی گمراہی کی ایک مثال تو یہ ہے کہ اُن میں کتاب اللہ کا نہ تو صداقت سے پُر سچّا علم باقی رہا اور نہ سچّائی کا عملُ اگر علم بھی تھا تو اس میں تحرِیف کر لیتے' ان میں نفاق کا مرض عام تھا، مسلمانوں سے ملاقات کرتے تو اپنے آپ کو مؤمن کی صف میں شامل کرتے اور جب دوسروں سے ملاقات کرتے تو برملا کہتے "کچھ علم اللہ جل شانہٗ نے جو عطا کیا وہ مسلمانوں پر ظاہر نہ ہونے دیں۔" یہودی علماء کی گمُراہی کی یہ علامت ہے کہ اللہ کے احکامات پر اپنی رائے اور خواہش کو ترجیح دیتے اور اپنے تالیف کردہ مسائل کو کتاب اللہ کی طرح واجب العمل جانتے' یہ کھلی ہوئی گمُراہی نہیں تو اور کیا ہے؟۔ اس پر یہ احساس کہ وہ اپنے آپ کو اللہ جل شانہٗ کا پسندیدہ اور نجات یافتہ اُمّت جانتے' اور یہ ورد زباں رہتا کہ ہم ہمیشہ کے لئے جہنّم میں نہیں ڈالے جائیں گے حالانکہ قرآن الحکیم صریحاً اس بات کی تردید کرتا ہے کہ بہشتؔ اور جہنّم کا انحصار اور عملِ صالح پر موقوف ہے۔ جس کے نامۂ اعمال احسن ہوں گے اس کے لئے نجات ہے اور جس کے نامہ اعمال بُرے ہوں گے وہ سزا کا مستحق ہے۔

میثاق بنی اسرائیل کے وہ اُمور جو نسلِ انسانی کی نجات کا سبب بنے

سورۃ البقرہ کی آیت ۸۳ میں اظہار بیان یہ ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل سے وعدہ کیا کہ!

۱)......اللہ جل شانہٗ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔

۲)......والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو۔

۳)......قرابت داروں اور مسکینوں کے ساتھ حسنِ سلوک کرو اور ان سے خُوش خُلقی کا برتاؤ کرو۔

۴)......عام انسانوں سے اچھی اور نرم گُفتگو کرو۔

۵)......نماز قائم کرو اور اس کا اہتمام کرو۔

۶)......زکوٰۃ کی ادائیگی کرو۔

باوجود اس میثاق کے چند کے سوا سب نے وعدہ خلافی رعہد شکنی کی۔

بنی اسرائیل نے مزید وعدہ خلافی یہ بھی کی کہ اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ لیا تھا ایک دوسرے کا خون نہیں بہاؤ گے' اپنے ناتواں لوگوں کو جلاوطن نہیں کرو گے لیکن انہوں نے ایسا سب کچھ کیا، حقیقتِ احوال تو یہ ہے کہ جب شرَیعتِ احکامات میں دین داری کی روح برقرار نہیں رہتی تو دین داری کی نمائش کا پہلو اُجاگر ہو جاتا ہے کسی پر ایمان اور کسی بات پر انکار، گویا دین کی آسان طرزِ عمل پر عمل کیا جاتا ہے یہ ریاکاری اور نمائش ردکھاوا نہیں تو اور کیا ہے! جن اُمور کو سرِانجام دینے میں مشکلات اور مصائب کا سامنا ہوتا ہے ان کی طرف توجہ مرکوز نہیں ہوتی، سچّی بات تو یہ ہے کہ علمائے یہود اپنی گمُراہیوں کا شکار تھے اور عام لوگ بھی حق پرُستی کی راہ سے فرار حاصل کر کے نفس پرستی میں مُبتلا تھے۔ ایسے ہی لوگ دنیا اور جہاں میں رُسوا، ذلیل اور آخرت میں عذابِ عظیم سے دوچار ہوں گے۔ اے اللہ! ہمیں دنیا اور آخرت میں رسوائی اور تذلیل سے محفوظ رکھنا۔ آمین ثم آمین۔

انبیاء وملائکہ کی عداوت کفر، اور غضب الٰہی کا سبب ہے

سورۃ البقرہ آیت ۹۸ میں واضح بیان ہے کہ جو شخص اللہ جل شانہٗ کا اور اس کے رسولوں اور اس کے فرشتوں حضرت جبرائیل امین اور حضرت میکائیلؑ کا دشمن ہو، ایسے کافروں کا دشمن اللہ تعالیٰ خود ہیں۔ یہود کا کہنا ہے ''حضرت جبرائیلؑ تو ہمارا دشمن ہے'' باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ''یہ سب میرے مقبول بندے ہیں جو ان کا یا ان میں سے کسی ایک کا دشمن ہے وہ اللہ کا بھی دشمن ہے۔

اللہ تعالیٰ سبحانہٗ اپنے فضل سے جسے چاہے نواز دے

جب ہم اپنی توجہ سورۃ البقرہ کے گیارہویں رکوع کی طرف مرکوز کرتے ہیں، تو پتہ چلتا ہے کہ بنی اسرائیل کی جانب سے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو کتاب عطا کر کے بھیجا گیا، لیکن بنی اسرائیل نے اس کتاب کی تعلیمات پر عمل نہیں کیا اس میں تبدیلی اور تنسیخ کی، اور ان کی نافرمانی کا ارتکاب کیا اس کے بعد سے رسول اور نبی آئے پھر سیدنا حضرت عیسیٰ روح اللہ کو انجیل دے کر مبعوث کیا گیا۔ ان کی سچّائی اور صداقت کی خاطر ان کو بہت سارے معجزے عطا ہوئے اور حضرت جبرائیل امین علیہ السلام کو ان کی مدد کے لئے مقرّر فرمایا لیکن یہودی اپنی پرانی خصلت' کے مطابق ان کی مخالفت سے بھی باز نہ رہے اور ان کے قتل پر تُل گئے۔

جب باری تعالیٰ نے ان کے فرسودہ اور ان کے مَن گھڑت تصوّرات کی تردید کی' تو انہوں نے برملا اظہار کیا ''ہمارے دل محفوظ ہیں'' ہم اپنے نظریات پر قائم رہیں گے اور کسی دوسرے کی دین کی باتوں کا ہم پر کوئی اثر نہ ہوگا ہم کسی کے اصرار رکھنے پر ایمان لانے والے نہیں' اُن کی پے در پے نافرمانیوں کے سبب اللہ جل شانہٗ نے ان پر لعنت بھیجی۔ حالانکہ اُن کی حالت کیفیّت کا ایک عالم یہ بھی تھا کہ جب مدینہ منورہ (یثرب) کے دیگر قبائل' ان پر زیادتی اور ظلم کرتے اور یہ شکست سے دوچار ہوتے تو اس وقت آنے والے نبی برحق، رسول اکرم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے لئے دعائیں مانگتے تھے جس کا ان کی کتب سماوی میں تذکرہ تھا اور جب خاتم النبیّن حضرت محمد ﷺ دنیا میں جلوہ فگن ہوئے تو انھوں نے ہمارے آقا ﷺ کو پہچان لیا۔

سبحان اللہ کیا شان ہے ہمارے آقا ﷺ کی!

حالانکہ انھوں نے حضرت محمد ﷺ کو پہچان لیا تھا' لیکن آپ ﷺ پر ایمان لانے سے اس لئے انکار کیا کہ آپ ﷺ اُن کی نسل سے نہیں ہیں۔ یہ کہنا زیادہ مناسب ہے کہ حسد، بغض، کینہ، تعصب اور نفس پرستی میں اس قدر مبتلا تھے کہ ہر قسم کی نعمت میں کسی دوسرے کا شریک ہونا انہیں قطعی گوارہ نہ تھا۔ سب جانتے ہیں' کہ نبی اکرم ﷺ کا تعلق بنی اسماعیل علیہ السلام سے تھا آپ ﷺ دعائے خلیل ہیں اللہ سبحانہٗ تعالیٰ جسے چاہے نواز دے۔ تاریخ ''عہد گذشتہ'' کے اوراق کا احاطہ کرتی ہے چنانچہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے واقعات کا پھر اعادہ کیا گیا اور کہا گیا ''اگر تم اللہ سبحانہٗ کے پسندیدہ ہو تو پھر موت کی آرزو کرو تاکہ تم جلد جنّت میں جاسکو لیکن ان کو اپنی کوتاہیوں اور نافرمانیوں کا بخوبی علم ہے یہ کبھی موت کی آرزو نہیں کریں گے اگر ان کی عمر ہزار برس کی ہوجائے تو اللہ جل شانہٗ کے یہاں عذاب سے کوئی بھی ان کو نہیں بچاسکتا۔

قرآن سابقہ کُتب سماوی کی تصدیق کرتا ہے!

کون نہیں جانتا جہاں میں اہلِ ایمان صورت خورشید جیتے ہیں اور قرآن الحکیم تو راہِ ہدایت اور صراطِ مستقیم کی تعلیم دیتا ہے۔ قرآن

تو پہلی رسابقہ کتب سماوی کی تصدیق کرنے والا اور ایمان لانے والوں کے لئے ہدایت اور خوشخبری ہے اس کا اظہار سورۃ البقرہ کے بارہویں رکوع میں کیا جار ہا ہے ''جو کوئی اللہ کی وحی یا حضرت جبرائیلؑ کا مخالف ہے تو اللہ جل شانہٗ بھی منکرین حق کا ساتھی نہیں۔

جب کوئی قوم اخلاقی اور مادی لحاظ سے تنزلی اور پستیوں کا شکار ہو جاتی ہے تو ان کے عقائد اور عملی زندگی کے طریقہ کار میں اِنحطاط رُونما ہوتا ہے اور وہ ہر طور بلکہ یوں کہئے بہر طور، جہالت، تاریکی، اور مُفلسی میں مُبتلا ہو کر، وحی کی تعلیمات سے منحرف ہو کر بے عملی کی زندگی کی راہ پر چلنے لگتے ہیں عزم، محنت ومشقت اور سعی پیہم کے طریقوں سے بے نیاز ہو کر جادو سحر، طلسماتی عَملیات، اور تعویذ گنڈوں کے معاملات میں مُبتلا ہو کر، طلسماتی عمل کی طرف راغب ہو جاتے ہیں۔

اگر تاریخی واقعات کا مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور میں شیاطین کے بہکاوے میں آکر منتروں اور نقوش رتعویذ گنڈوں کی پیروی میں لگ گئے اور اس فتنہ سحر یا اس جادُوگری کو حضرت سلیمان علیہ السلام اور ہارُوت و مارُوت، فرشتوں سے منسوب کرنے لگے گو کہ یہ سب کچھ ان کے لئے ایک آزمائش تھی یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ نفع اور خسارہ اللہ کے حکم کے سوا کسی کے پاس نہیں ہے۔ اس جادو اور ٹُونہ سے ان کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ ایک آدمی، دوسرے آدمی کی اہلیہ ربیوی کو بدظن کر کے اپنے اوپر اس کے عشق کا جادو چلا دے، اس حقیقت سے کیا انکار کہ یہ اخلاقی زوال کی انتہا ہے۔

اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت سے چُن لیتا ہے

سورۃ البقرہ کے رکوع ۱۳ راور ۱۴ کا مطالعہ کیا جائے تو اس بات کا علم ہوتا ہے کہ ان آیاتِ مبارکہ میں نبی اکرم ﷺ کی اطاعت کرنے والے اور مومنین کو ہدایت کے طور پر بتایا جار ہا ہے کہ وہ بنی اسرائیل کے تاریخی واقعات سے سبق سیکھیں۔

ع سبق پڑھ پھر صداقت کا عدالت کا شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا اقبالؔ

مومنو! اہل ایمان کو از راہ ہدایت یہ تعلیم دی جارہی ہے کہ ان گمراہیوں سے اِجتناب کریں جن کا تذکرہ کیا جا چکا ہے اور مسلمانوں میں جو یہ شکوک وشبہات پھیلا رہے ہیں ان کا بھی جواب دیا جارہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کا نزول انسانی خواہشات کا پابند نہیں۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت سے چُن لیتا ہے۔

ایک شریعت کے بعد دوسری شریعت کا ظہور اس لئے ہوتا ہے یا تو نسخ کی کیفیت پیش آئے یا نِسیان، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نسخ کے لغوی معنیٰ کیا ہیں ایک بات پہلے تھی اور اس کی جگہ دوسری نے لے لی پہلی بات موقوف ہوگئی۔ گویا شرعی اصطلاح میں ایک حکم کو بدل کر دوسرا حکم نازل کرنے کے ہیں۔ یہ نسخ اللہ کی طرف سے ہوا ہے نِسیان کے معنیٰ ''بھول جانے'' کے ہیں کہ کوئی بات پہلی شریعت میں اگر چہ کسی نہ کسی طرز عمل میں موجود تھی۔ لیکن زمانے کے تقاضے بدل گئے یا یوں کہئے کہ اُس کے ماننے والوں نے اس کی عملی رُوح کو گم کر دیا اس لئے لازم قرار پایا کہ نئی شریعت ظہور پذیر ہو، لیکن ایسا بھی ہوا کہ امتداد زمانہ کی روش نے پہلی تعلیمات کو بُھلا دیا (ختم کر دیا) اور حقیقتِ احوال تو یہ ہے کہ کچھ بھی باقی نہ رہا تو ایسی صورتِ حال کے پیش نظر ضروری ہوا کہ ''تجدید ہدایت'' ہو رَبِّ جَلیل کی سنت کا منشاء اور تقاضا یہ ہے کہ ہر نئی تعلیم کا اظہار سابقہ تعلیم سے بہتر ہو، یا کم از کم اس کی مانند ہو کیونکہ دعوتِ حق کا

تقاضا یہ ہے کہ اس کی تکمیل بتدریج ارتقاء کی حامل ہو۔

نماز اور زکوٰۃ سے رُوحانی صلاحیّت نشو ونما پاتی ہے

اہل کتاب میں سے اکثر یہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کو ایمان کے بعد پھر حالتِ کفر میں لوٹا دیا جائے اس سے یہود ونصاریٰ کے جذبہ حَسد کا اظہار ہوتا ہے۔آیت ۱۰۹ سورۃ البقرہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُم مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِم

مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ

''کہ اِن اہلِ کتاب کے اکثر لوگ باوجود حق واضح ہوجانے ،صرف حَسد ،عِناد اور بُغض کی بنا پر تمہیں ایمان سے ہٹا دینا چاہتے ہیں تم بھی معاف کردو،اور چھوڑ دو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم لائے۔''

اصل بات تو یہ ہے نماز قائم کرنے اور ادائیگی زکوٰۃ جیسی بدنی رجسمانی اور مالی عبادت سے مسلمانوں کی روحانی استعداد وصلاحیت نشو ونما پاتی ہے۔

اللہ کی سچائی سب کے لیے ہے جو سب کو عطا کی گئی!

ذرا غور تو فرمایئے! یہودی نصاریٰ کو گمراہ کن قرار دیتے ہیں۔اور نصاریٰ یہود کو،مُشرکین مکّہ کا تو یہ حال ہے کہ وہ دونوں کو گمراہ کہتے ہیں۔اصل بات تو یہ ہے کہ ادعیان (مذاہب) میں دین کی ایک سچّائی تھی جو سب کو برابر (یکساں) عطا کی گئی تھی۔لیکن فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں' کے تصوّر نے مذہبی گروہ بندی اور الگ الگ حلقے بنا کر اس سچائی کو پامال کردیا۔اور اب ہر گروہ دوسرے گرُوہ کو برملا کاذِب کہہ رہا ہے اور گمراہ کہہ رہا ہے اور دعویٰ خود کا یہ ہے کہ وہ خود سچّا ہے اس حقیقت اَمر کا فیصلہ کون کرے کہ سچّا اور قول میں صادق کون ہے !اگر سب کا دعویٰ ہے کہ ہم سچّے ہیں تو اس کا مطلب تو یہ ہوا ،کوئی سچّا نہیں! عجیب بات ہے ہر فرقہ ،گرُوہ،دوسرے کو غلط ہی کہتا ہے۔اگر سب کاذِب ہیں تو اللہ تعالیٰ کی سچّائی ہے کہاں! قرآن برملا اظہار کرتا ہے اللہ جل شانہٗ کی سچّائی سب کے لئے ہے جو تمام کو دی گئی لیکن سب نے سچّائی کو سچّائی نہ سمجھا۔اور سچّائی سے منحرف ہوگئے !بات تو یہ ہے کہ بہ اعتبار اصل سب سچّے ہیں اور بہ اعتبار عمل جھوٹے ہیں۔حقیقتِ احوالِ اصل یہ ہے کہ عالمگیر اور مشترک سچّائی اور صدق پر سب اکٹھا ہوجائیں تو مذہبی گرُوہ بندی کا خاتمہ ہوسکے گا یہ سوچنا ہے !وہ سچّائی کیا ہے !وہ دعوتِ حق اور دعوتِ توحید ہے وہ دعوت وحدانیت ہے وہ دعوتِ ایمان ہے۔اور نیک عملی کا قانون ،وہ ضابطۂ حیات ،آئین زندگی ہے۔جس کے فکری عمل واحساس کو قرآن لے کر آرہا ہے''جو دین حنیف اور دین مُبین'' کا ضابطۂ حیات ہے جس کو''الاسلام'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

نجات کا انحصار دعوتِ حق قبول کرنے اور نیک عملی پر ہے

قرآن کہتا ہے نجات کا انحصار دعوتِ حق قبول کرنے اور نیک عملی پر ہے اس کا دارومدار کسی فرقہ بندی پر نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ کی اطاعت رتابعداری کرے گا اور نیک عمل سرانجام دے گا وہی نجات پائے گا۔مذہب اور فرقہ پرستی

کا تعصب اس قدر پروان چڑھ گیا ہے کہ ہر گروہ اپنے علاوہ کسی کو اپنی مسجد میں عبادت کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ یہی کیفیت اس وقت مُشرکین کی تھی وہ مسجد حرام میں اللہ تعالیٰ کا نام لینے سے منع کرتے تھے اسی طرح کا حال دوسرے گُروہوں کا تھا۔ معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ جل شانہٗ کسی خاص عبادت گاہ کا مُقید نہیں، جس جگہ جس مقام پر اخلاصِ نیّت کے ساتھ اللہ کی عبادت کی جائے وہ قبول فرمائے گا عبادت گاہوں کے نگراں کار اور محافظ تو ایسے ہونے چاہئے جن میں ایمان کی روشنی ایسی ہو کہ فساد برپا کرنے والے وہاں جائیں تو یہ خوف ہو کہ ان کو ان کی شرارت پر سزا دی جائے گی۔

زمین و آسمان میں جو کچھ ہے سب کچھ اللہ جل شانہٗ کا ہے

عیسائیوں کا ایک باطل عقیدہ ہے اور عیسائیوں کی گُمراہی کی دلیل یہ ہے کہ وہ کتابِ الٰہی کے مُنکر ہوئے اور اس کے انحراف کے سبب انہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بنا دیا اور اس باطل عقیدہ کی احساس پر اپنی الگ گُروہ بندی بنا لی جب کہ اللہ کی ذات اس سے پاک ہے اور زمین و آسمان میں جو کچھ ہے سب کچھ اللہ جل شانہٗ کا ہے ہر چیز اللہ کی فرماں بردار ہے بلکہ یوں کہنا زیادہ مناسب ہے زمین و آسمان کا بغیر کسی نمونے کے بنانے والا اللہ ہے اللہ سبحانہٗ تعالیٰ جو کام چاہے کرے اس کے لئے لفظ صرف ''کن'' کافی ہے بھلا ایسی ذات کو اولاد کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے۔

بنی اسرائیل نے انعامات و اکرامات کی انتہائی ناقدری کی!

اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے تاریخی جرائم کو سورۃ البقرہ کے رکوع ۵ تا ۱۴ میں بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے، بنی اسرائیل نے ان انعامات و اکرامات کی انتہائی ناقدری کی جن سے اب تک رَبّ انہیں نوازتا رہا ہے۔ اللہ جل شانہٗ نے انہیں تمام عالم اقوام کا امام بنا دیا لیکن انہوں نے مَنصب امامت کا حق ادا نہیں کیا۔ تاریخی واقعات کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دوسری نسل حضرت اسحٰق علیہ السلام کی اولاد حضرت یعقوب علیہ السلام، جن کا تاریخی لقب اسرائیل (عبداللہ) ہے سے سلسلہ نبوّت چلا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے۔ جن سے یہود کے بارہ قبیلے معرضِ وجود میں آئے ان میں بکثرت انبیاء اور رسول آئے۔ اسی سلسلۂ نبوت کی کڑی میں حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت یحیٰی علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام روح اللہ اور بہت سے نبی منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئے اسی نسل میں جب تنزل اور پستی کا آغاز ہوا تو یہودیت اور عیسائیت کے دو گُروہ، معرضِ وجود میں آئے۔ اور انہوں نے انبیاء کی تعلیمات میں اپنی خواہش اور مرضی کے مطابق ترمیم اور تحریف کی اور ایک نئی شریعت اپنالی۔

رسول اللہ ﷺ کو دعوتِ حق کے لئے چُن لیا گیا

اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کے حکم سے سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اور ان کے فرزند حضرت اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے گھر کی تعمیر کی۔ تاریخ گواہ ہے کہ گذشتہ اُمتّوں کے زوال کے بعد مَنصب امامت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے توسط سے شاخ بنی اسماعیل علیہ السلام میں منتقل ہوا اور رسالت آپ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی اُمّت کو اس دعوتِ حق اور مَنصب کے لئے منتخب کر لیا گیا تا کہ اقوام

عالم کی ہدایت کا سلسلہ قیامت تک جاری وساری رہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام بیت اللہ کی دیوار اٹھاتے جاتے اور لَب پہ یہ دعا تھی۔

''اے ہمارے رَبّ تو اسے قبول فرمالے۔اے ہمارے رَبّ ہمیں اپنا اطاعت گذار بنالے اور ہماری اولاد میں سے ایک جماعت کو اپنا فرمانبردار رکھ اور ہماری توبہ قبول فرما''

یہ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی آخری دعا ہے اللہ جل شانہٗ نے اس دعا کو مقبول ومُبرّور فرمایا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے رسالت مآب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو مَبعُوث فرمایا۔سبحان اللہ حضرت محمد ﷺ کا پاک ارشاد ہے۔

''میں اپنے باپ حضرت ابراہیمؑ کی دعا حضرت عیسیٰؑ کی بشارت اور اپنی والدہ کا خواب ہوں'' (بحوالہ الفتح الرّبانی)

اسلام دینِ فطرت ہے

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ انسان اپنے اَسلاف کے خَودساختہ نظریات میں بُری طرح اُلجھا ہوا ہے اور اپنے روایتی طریقہ انداز اور روایات کو چھوڑنے کے لئے آمادہ ہی نہیں' یہی حال یہود ونصاریٰ کا تھا اُن کا کہنا تھا ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہیں حالانکہ اُن کا اُن سے کوئی تعلق نہیں رہا اور نہ وہ ان کے طریقوں پر قائم اور دائم رہے۔جس کی دعوت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے اور اُن کی اولاد نے دی تھی۔حقیقتِ احوال تو یہ ہے کہ ہر طبقہ اور گُروہ سے یہ دریافت نہیں کیا جائے گا کہ تمہارے آباؤ اجداد کون تھے! بلکہ دریافت تو یہ کیا جائے گا کہ تم خود بہ نفسِ نفیس کیا کیا کرتے رہے ہو۔سورۃ البقرہ آیت ۱۳۸ میں ارشاد ہوا۔

صِبۡغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنۡ اَحۡسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبۡغَةً ۫

''اللہ تعالیٰ کا رنگ اختیار کرو اور باری تعالیٰ سے اچھا کس کا رنگ ہے''

مُفسّرین نے بیان کیا کہ اللہ کے رنگ سے مراد دین فطرت، گویا دین اسلام ہے۔جس کی طرف ہر نبی نے اپنے اپنے زمانے میں اپنی اپنی امتوں کو دعوت دی اس دعوت کو دعوتِ توحید کہا جاتا ہے۔قرآن مجید نے تورات اور انجیل کی تصدیق کی اور غلط باتوں کی تردید کی اور اُن اُمور کی دعوت دی جو تمام انبیاء ہر زمانے میں دیتے رہے۔

نیک عمل کو زندگی کا شیوہ بنایئے

انسان کو جان لینا چاہئے کہ ہر انسان کے لئے اس کا عمل ہے جو کچھ انسان کرتا ہے کر رہا ہے۔اللہ تعالیٰ اس سے غافل نہیں عمل کی اپنے احساس کیا ہے۔بجز ندامت کے پاس کیا ہے کے پیش نظر اچھی طرح جاننا چاہئے عقیدۂ توحید ہی سے زندگی آراستہ ہوگی نیک عملی زندگی کا شیوہ بن جائے تو اپنی زندگی پر ناز کیجئے ورنہ اصل حقیقت تو یہ ہے کہ کسی دوسرے کا عمل ہمارے کام آنے کا نہیں!۔

پارہ الٓمٓ سورۃ البقرہ کی آیت ا رسے آیت ۱۴۱ دعوتِ ابراہیمی سے وحدتِ دین کے بیان پر اختتام پذیر ہوا۔

۱۱ المحرم الحرام ۱۴۲۵ھ

رموزِ اوقاف قرآنِ مجید

ہر زبان کے اہل زبان، جب باہم گفت وشنید کرتے ہیں تو کہیں کہیں رُک (ٹھہر) جاتے ہیں کہیں پر رُکنا، اور ٹھہرنا کم ہوتا ہے۔ کہیں پر تو زیادہ ٹھہر جاتے ہیں۔ اور کہیں پر بالکل کم ٹھہرتے ہیں۔ گو صحیح اندازِ گفتگو، اور بیان کا صحیح مطلب سمجھنے میں اس اندازِ تکلّم اور اندازِ تخاطب کو بڑا دخل ہے۔ ہم یہ جانتے ہیں کہ قرآنِ حکیم کی عبارت بھی گفتگو کے انداز کی بھرپور نمائندگی کرتی ہے۔ اسی لئے اہل علم نے اس کے ٹھہرنے، اور نہ ٹھہرنے کی مختلف علامتیں مقرر کر دی ہیں۔ ان علامات کو رموزِ اوقاف قرآنِ مجید کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید کی تلاوت کی سعادت حاصل کرنے والوں کے لئے یہ امر ضروری ہے اِن رموز کو تلاوت کرتے وقت ملحوظ رکھیں۔ یہ علاماتِ رموز درج ذیل ہیں۔

o...... چھوٹا سا دائرہ وہاں لگا دیتے ہیں جہاں بات پوری ہو جاتی ہے۔ دراصل گول (ت) جو بصورت (ۃ) لکھی جاتی ہے۔ اور یہ وقفِ تام کی علامت کہلاتی ہے اس علامت پر ٹھہرنا چاہیے، اب (ۃ) تو لکھنے کا رواج نہیں رہا۔ اب (ۃ) تو نہیں لکھی جاتی ہے چھوٹا سا ''دائرہ'' بنا دیا جاتا ہے اس کو آیت کہتے ہیں، دائرہ پر اگر کوئی علامت نہ ہو تو ٹھہر (رُک) جانا چاہیے، ورنہ علامت کے مطابق عمل کیا جائے۔

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ علامت ''o'' دائرہ آیت کے ختم ہو جانے کی نشانی ہے۔

جہاں صرف علامتِ دائرہ ہو، وہاں پہنچ کر ٹھہر جانا چاہیے۔ دائرے کے اوپر ''لا'' درج ہو تو ٹھہرنا اولیٰ ہے۔ ضرورت ہو تو ٹھہر لیا جائے تو کچھ حرج نہیں، دائرے پر جو رمز وقف بھی ہو گی۔ وقف و وصل کے لئے اسی کا اعتبار ہو گا۔ یہ آیت کوفی ہے۔ اس کا حکم بھی وہی ہے جو دائرہ کا ہے۔

مؔ...... لفظ لازِم کا مختصر ہے۔ اس رمز سے پہلے کلمے پر ''ٹھہر'' جانا لازمی ہے۔ گویا یہ علامت وقفِ لازم کی ہے۔ اس پر ضرور ٹھہرنا چاہئے، اگر نہ ٹھہرا جائے تو احتمال یہ ہو سکتا ہے کہ مطلب کچھ کا کچھ ہو جائے، اس کو یوں سمجھنا چاہیے کہ کسی سے یہ کہنا ہو کہ ''اٹھو۔ مت بیٹھو'' جس میں قواعد گرائمر کے لحاظ سے 'اٹھنے' کا اَمر اور 'بیٹھنے' کی نہی ہے۔ تو اٹھو، پر ٹھہرنا لازم ہوا، اگر ٹھہرا نہ جائے تو ''اٹھو مت۔ بیٹھو'' ہو جائے گا۔ جس میں ''اٹھنے'' کی نہی اور بیٹھنے کے اَمر کا احتمال ہے۔ اور یہ قائل کے مطلب کے خلاف ہو جائے گا۔

ط...... وقفِ مطلق کی علامت ہے مُطلَق کا مخفف ہے اس رمز سے پہلے کلمے پر مطلقاً ٹھہر جانا چاہئے۔ یہ علامت وہاں ہوتی ہے جہاں مطلب واضح اور پورا نہیں ہوتا، اور بات کہنے والا ابھی مزید کچھ اور کہنا چاہتا ہے۔

ج...... وقف جائز کی علامت ہے یہاں ٹھہرنا بہتر اور نہ ٹھہرنا جائز ہے۔

ز...... یہ علامت وقفِ مجوّز کی ہے۔یعنی یہ وقفِ جائز کی رَمز ہے۔یہاں نہ ٹھہرنا بہتر ہے۔یہاں سے تجاوز کر جانا،یعنی گزر جانا چاہئے۔

ص...... یہ علامت وقف مرخص کی ہے۔یہ لفظ مُرَخَّص کا مختصر ہے،یہاں ملا کر پڑھنا چاہئے۔لیکن پڑھتے پڑھتے،سانس ختم ہو جائے یا کوئی تھک کر ٹھہر جائے تو ''ص'' کی رمز وقف سے پہلے کلمے پر ٹھہر جانے کی رخصت ہے۔

صلے...... یہ اَلْوَصَلُ اَوْلٰی کا مختصر ہے۔ وَصَلُ وہ مقام جہاں ملا کر پڑھنا بہتر ہے۔

ق...... قِیْلَ عَلَیْہِ الْوَقْفَ ۔(کہا گیا کہ اس مقام پر وقف ہے) یہاں ٹھہرنا نہیں چاہیے۔

صل...... قَدیُوْصَلُ کا مخفف ہے یہاں ٹھہرا بھی جاتا ہے اور کہیں نہیں،بوقت ضرورت وقف کر سکتے ہیں۔

قف...... یہ لفظ قِف' ہے۔یُوْقَفُ عَلَیْہِ کا مخفف،جس کے معنی ہیں ٹھہر جاؤ یہاں سانس روک کر وقف کرنا چاہیے۔

سکتہ...... یہ سکتہ کی علامت ہے،یہاں سانس لیے بغیر کسی قدر ٹھہر جانا چاہیے،پڑھنے والا،یہاں کسی قدر ٹھہر جائے سانس نہ توڑے۔

وقفہ...... یہ لمبے سکتہ کی علامت ہے،یہاں سکتہ کی نسبت زیادہ ٹھہرنا چاہیے۔لیکن سانس نہ توڑیں۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔سکتہ اور وقفہ میں کیا فرق ہے؟اس کا جواب یہ ہے کہ 'سکتہ' میں کم ٹھہرنا چاہیے،اور وقفہ میں قدرے زیادہ۔

لا...... ''لا'' کے معنی 'نہیں' کے ہیں،'لا' کی علامت کہیں آیت کے اوپر استعمال کی جاتی ہے،اور کہیں عبارت کے اندر،عبارت کے اندر ہو تو ہرگز نہیں ٹھہرنا چاہیے،آیت کے اوپر تو بعض کا خیال ہے کہ ٹھہرنا چاہیے،بعض کے نزدیک نہیں ٹھہرنا چاہیے،لیکن ٹھہرا جائے یا نہ ٹھہرا جائے اس سے مطلب کی وضاحت میں خلل واقع نہیں ہوتا۔

علاماتِ متفرقہ

ک...... کَذٰلِکَ کا مخفف ہے۔اس سے مراد یہ لی جاتی ہے کہ جو رمز پہلی آیت میں آچکی ہے۔اس کا حکم اس پر بھی ہے۔

...... یہ نقطے،تین نقاط والے ہوتے ہیں دو 'وقف' کے قریب قریب آتے ہیں۔ان کو (مُعَانَقَه) 'معانقہ' یا مُرَاقَبَه کہتے ہیں کبھی اس کو مختصر کر کے (مع) لکھ دیتے ہیں۔اس کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ دونوں وقف گویا معانقہ کر رہے ہیں۔ معانقہ حاشیہ پر لکھی جاتی ہے۔مراد یہ ہے کہ تین جملوں میں سے جن دو کو چاہو ملا لو۔حاشیہ پر 'مع' ہوتا ہے دو آیتوں کے درمیان دو مقام پر '' ؞ ؞ '' دیئے جاتے ہیں۔

وقف معانقہ میں پہلے تین نقطوں پر وصل کر کے دوسرے تین نقطوں پر وقف کیا جائے،یا پہلے تین نقطوں پر وقف کر کے دوسرے تین نقطوں پر وصل کیا جائے۔

محمد شفیق

رجسٹرڈ پروف ریڈر محکمہ اوقاف

حکومت سندھ پاکستان

رجسٹریشن نمبر: R.R.OAUQ200/338

تاریخ: 12-9-2004

تصدیق نامہ

میں نے تفسیر عزیزی کا پارہ نمبر ۱ الم تا ۳ کے متن قرآن کریم کو

بغور پڑھا جو کمی نظر آئی اصلاح کردی گئی۔

اب الحمدللہ اس میں کوئی غلطی نہیں انشاء اللہ۔

محمد شفیق

فاضل جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

ادارۂ نشریاتِ ولی

18/927 سمن آباد فیڈرل بی ایریا کراچی